علومِ قرآن اور "الاتقان"

از مولانا محمد عبدالحلیم چشتی، فاضل دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ وصحبہ واتباعہ اجمعین!

شیخ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطیؒ[1] اپنے عہد (۸۴۹-۹۱۱ھ) کے نہایت باکمال ائمہ فن میں سے تھے۔ فطرت کی طرف سے اُن کی ذات میں بہت سی خصوصیات اور خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، افتاء اور قضاء، رشد و ہدایت میں انھیں کمال حاصل تھا۔ وہ نامور اور بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، شاعر، مؤرخ اور لغوی ہی نہ تھے بلکہ اس عصر کے مجدد بھی تھے۔ اُن کے تجدیدی کارناموں کا تعارف ملا علی قاریؒ المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ نے حسب ذیل الفاظ میں کرایا ہے۔ فرماتے ہیں:

---

[1] موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

الضوء اللامع لاہل القرن التاسع تالیف شمس الدین محمد السخاوی المتوفی سنہ ۹۰۲ھ ج ۴، ص ۶۵ تا ۷۰ مکتبۃ القدسی قاہرہ

حسن المحاضرہ فی اخبار مصر القاہرہ: جلال الدین سیوطی، ج ا ص ۱۸۸ تا ۱۹۰، طبع ادارۃ الوطن مصر، سنہ ۱۲۹۹ھ۔

الکواکب السائرہ باعیان المئۃ العاشرہ: شیخ نجم الدین الغزی المتوفی سنہ ۱۰۶۱ھ ج ا ص ۲۲۶ تا ۲۳۱ طبع بیروت سنہ ۱۹۴۵ء۔

النور السافر عن اخبار القرن العاشر: عبدالقادر عیدروسی۔ ص ۵۴ تا ۵۸ طبع بغداد سنہ ۱۳۵۳ھ۔

شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: عبدالحی بن العماد الحنبلی المتوفی سنہ ۱۰۸۹ھ ج ۸ ص ۵۱ تا ۵۵، مکتبۃ القدسی قاہرہ سنہ ۱۳۵۶ھ۔

البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع: محمد بن علی شوکانی المتوفی سنہ ۱۲۵۰ھ ج ا ص ۳۲۸ تا ۳۳۵ طبع اول مطبعۃ السعادۃ

مقدمہ ذیل طبقات الحفاظ سیوطی: محمد زاہد کوثری۔ ص ۶ تا ۱۰، مکتبۃ القدسی دمشق سنہ ۱۳۴۷ھ۔

مقدمہ نظم العقیان فی اعیان الاعیان: فلپ ہٹی۔

ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین و آثار المصنفین: اسمٰعیل پاشا بغدادی المتوفی سنہ ۱۳۳۹ھ ج ا ص ۵۳۴ تا ۵۴۴ طبع استنبول سنہ ۱۹۵۱ء۔

شیخ مشائخنا السیوطی ہو الذی احیا
علم التفسیر الماثور فی الدر المنثور
وجمع جمیع الاحادیث المتفرقۃ
فی جامعہ المشہور وما ترک فناً الا ولہ
فیہ متن او شرح مسطور بل ولہ زیادا
ومخترعات یستحق ان یکون ہو المجدد
فی القرن المذکور کما ادعاہ وہو فی
دعواہ مقبول ومشکور[۱]۔

ہمارے استاذ الاساتذہ سیوطیؒ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے تفسیر ماثور کو کتاب در منثور میں زندہ کیا اور تمام منتشر حدیثوں کو اپنی مشہور کتاب جمع الجوامع میں جمع کر دیا اور کوئی فن نہیں چھوڑا ہے جس میں کوئی کتاب لکھی ہو یا کسی کتاب کی شرح نہ کی ہو (یہی نہیں) بلکہ اس پر اضافے کیے ہیں، اور نئی نئی تحقیقات کی ہیں جس کی وجہ سے وہ اس امر کے مستحق ہیں کہ مذکورہ بالا صدی کے مجدّد قرار پائیں، جیسا کہ انھوں نے اس کا دعویٰ بھی کیا ہو اور وہ اپنے دعوے میں مقبول اور کامیاب ہیں۔

علامہ سیوطیؒ کے علمی کارنامے نہایت وسیع اور گوناگوں ہیں جو ہر فن میں اُن کی مجتہدانہ بصیرت، وسعتِ نظر اور کثرتِ معلومات کے شاہد عدل ہیں۔ علومِ قرآن پر اُن کی تالیفات میں سے "الاتقان فی علوم القرآن" نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے جو سیوطیؒ نے سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد کم وبیش چار سال کی طویل مدّت میں پایۂ تکمیل کو پہنچائی ہے۔ ہم نے اسی کتاب کا تعارف کرایا ہے۔ کتاب ناظرین کے سامنے ہے تفصیلی تبصرہ کی چنداں حاجت نہیں۔

تعارفِ کتاب سے قبل ہمیں اس امر پر روشنی ڈالنی ہے کہ علوم قرآن پر کام کا آغاز کب سے ہوا، تفسیر کا فن کیونکر مدوّن ہوا اور اس کو کتابی شکل میں سب سے پہلے کس نے مرتب کیا، انواعِ علوم قرآن پر مستقل تصانیف کا سلسلہ کب سے شروع ہوا، اور کن کن نامور ائمۂ فن نے ان پر جداگانہ اور مستقل کتابیں لکھیں، انواعِ علوم پر بحیثیتِ مجموعی بحث کا آغاز کس عہد میں ہوا، اور پھر عہد بعہد اس پر جن علما نے قلم اٹھایا ان کو نام بنام گنایا، اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ فن متاخرین کے زمانہ میں کس طرح عروج کو پہنچا، ہندوستان میں کن کن علماء نے اس فن پر طبع آزمائی کی اور اُن کے کام کی نوعیت کیا ہے۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی غیر مناسب نہیں کہ جن کتابوں کے مصنفین کا عہد معلوم

[۱] مرقاۃ المفاتیح لمشکوٰۃ المصابیح، مطبعہ میمنیہ مصر ۱۳۰۹ھ ج ۱ ص ۲۴۸۔

نہ ہوسکا اُن کتابوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہم نے صرف انہی کتابوں کو نام بنام گنایا ہے، جو اس فن پر مستقل تصانیف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علوم قرآن کے ساتھ اور علوم پر بھی جن کتابوں میں بحث ہوئی ہے جیسے محدث ابن جوزی کی کتاب المدہش یا کتاب المجتنیٰ ہیں، یا حسین بن علی کاشفی المتوفی ۹۰۶ھ کی جواہر التفسیر لتحفۃ الامیر جو زہراوین کی تفسیر ہے، جس کے شروع میں موصوف نے تفسیر سے متعلق ۲۲ فنون پر چار فصلوں میں بحث کی ہے ان کو نظرانداز کردیا ہے۔

عرب جن کو اپنی زبان آوری، فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان پر ناز تھا قرآن مجید انہی کی زبان میں اُترا اور انہی کے اسلوب اور طرزِ ادا کو اس نے اختیار کیا، انھوں نے اسکو سمجھا، اور اس کی سحر طرازیوں نے اپنا اثر دکھایا۔ اہل زبان میں سے جس نے اس کو سُنا وہ اس کی عظمت و برتری کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ان میں سے جن پاکیزہ نفوس نے اس کی دعوت پر لبیک کہا انہی کو اس سے پورا پورا فائدہ پہنچا۔

قرآن مجید اصول وکلیات کا جامع ہے

قرآن مجید جو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے اُتارا گیا ہے وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات اور نہایت جامع قانونِ ہدایت ہے۔ وہ اصول وکلیات کا جامع ہے، اور اس کے جزئیات کی تفصیل و تعیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے عبارت ہے۔ علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی المتوفی ۷۹۰ھ کتاب الموافقات میں رقمطراز ہیں:

القرآن علی اختصارہا جامع ولایکون جامعًا الا والمجموع فیہ امور کلیات لان الشریعۃ تمت بتمام نزولہ لقولہ تعالیٰ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الآیۃ وانت تعلم ان الصلوٰۃ والزکوٰۃ والجہاد واشباہ ذلک لم تتبین جمیع احکامہا فی القرآن انما بینتہا السنۃ وکذالک العادیات من الانکحۃ والعقود والقصاص والحدود وغیرہا۔[۵۲]

قرآن مجید مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے، اور جامع کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کلیات مذکور ہیں کیونکہ شریعت اُس کے پورے نازل ہوجانے پر مکمل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم الآیۃ آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کردیا اور تم جانتے ہو کہ نماز، زکوٰۃ جہاد اور اسی طرح کی اور عبادات ہیں جن کے تمام احکام قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئے ان کو صرف سنت نے بیان کیا ہے اسی طرح سے عادی امور نکاح، معاملات، قصاص اور حدود وغیرہ ہیں،

---

۵۱ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون: حاجی خلیفہ طبع استانبول ۱۳۶۰ھ ج ۱ ص ۶۱۳۔

۵۲ یہ حاشیہ صفحہ ۵۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ شاطبیؒ کے مذکورہ بالا بیان سے یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے دین کی تکمیل فرما کر اس کی حفاظت کا بھی عجیب و غریب انتظام فرمایا۔ قرآن مجید کو تحریف لفظی سے محفوظ رکھنے کے لئے مومنین کے سینوں کو اس کا محافظ بنا دیا، اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول و فعل کو حجت بنا کر معانیٔ قرآن میں تحریف کا ہمیشہ کے لئے سدّ باب کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ امت میں قرآن پاک کے نت نئے معانی کرنے والوں کو کبھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

اس قانونِ ہدایت کے مقننِ اعظم نے محض الفاظ تعلیم فرما کر معانی کو آزاد نہیں چھوڑا تھا بلکہ اس نے اس کی تعبیر و تفسیر کا حق اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا تھا، اور آپؐ کے ہر قول و فعل کو حجت بنا دیا تھا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تبیین (سمجھانے) کا حق ادا کر دیا، آپؐ نے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی وضاحت کی، اطلاق کی تقیید اور اشتراک کی تعیین فرمائی، منشاءِ خداوندی کو بتایا، غرض و غایت کو سمجھایا، کلامِ الٰہی کے مرادی معنیٰ کو بیان فرمایا اس پر عمل کر کے دکھایا، اور ۲۳ سال کی مختصر سی مدت میں سارے جزیرۃ العرب کو بقعۂ نور بنا دیا۔

جب ان بادیہ نشینوں کی فتوحات نے اقوامِ عالم کو اسلام کا گرویدہ بنایا، اور غیر قوموں میں کثرت سے اسلام پھیلنا شروع ہوا، تو اُن کے دلوں میں قرآن کی عظمت جاگزیں کرنے کے لئے فضائلِ قرآن کی تدوین عمل میں آئی۔ قرآن پڑھانے کے لئے مصحف پر نقطے لگانے کا آغاز ہوا، اور قرأت میں لحن اور غلطی سے بچانے کے لئے قرآن مجید پر اعراب لگانے کا رواج ہوا[ل]۔ اقوامِ عجم کو اصولِ مذہب سے آگاہ کرنے اور قرآن مجید کے علوم و معارف سے روشناس کرانے کے لئے علم تفسیر کی تدوین عمل میں آئی۔ جیسے جیسے حالات اور اسباب ہوتے رہے علومِ قرآن پر کتابیں تصنیف ہوتی رہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص۳) ۵۲ کتاب الموافقات فی اصول الشریعۃ: الشاطبی، طبع قاہرہ، ج ۳ ص ۳۶۷۔

نیز کتاب اصول الدین: علامہ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی المتوفی ۴۲۹ھ۔

کتاب الاموال: ابو عبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ طبع قاہرہ ۱۳۵۳ھ ص ۵۴۴۔

اتحاف السادۃ المتقین بشرح اسرار احیاء علوم الدین: حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی، طبع قاہرہ ۱۳۱۱ھ، ج ۴ ص ۵۲۸۔

ل۵ کتاب المحکم فی نقط المصاحف: حافظ ابو عمرو عثمان بن سعید دانی المتوفی ۴۴۴ھ ص ۱۸ مطبعۃ الہاشمیہ دمشق ۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء۔ موجز البیان فی مباحث تختص بالقرآن۔ ص ۹۲ طبع بغداد ۱۹۴۰ء۔

عہدِ صحابہ میں قرآن کی سب سے پہلی تفسیر

پہلی صدی ہجری میں قرآن کی تفسیر سب سے پہلے سید المسلمین حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے لکھی۔ موصوف کا انتقال عہدِ فاروقی میں ہوا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عہدِ فاروقی یا عہدِ صدیقی کی تالیفات میں سے ہے۔ مشہور مفسر محمد بن جریر طبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ اور ابن ابی حاتم المتوفی سنہ ۳۲۷ھ نے اپنی تفسیروں میں اس سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ اسی طرح ابو عبد اللہ الحاکم المتوفی سنہ ۴۰۵ھ اپنی مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ اپنی مسند میں اس سے روایت کرتے ہیں۔ علّامہ احمد طاش کبری زادہ المتوفی سنہ ۹۶۸ھ مفتاح السعادہ میں رقمطراز ہیں:

اما ابی بن کعبؓ فعنہ نسخۃ کبیرۃ یرویہا ابو جعفر الرازی عن الربیع بن انس عن ابی العالیۃ عنہ وھذا الاسناد صحیح وقد اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم وکذا الحاکم فی مستدرکہ واحمد فی مسندہ۔[1]	لیکن حضرت ابی بن کعبؓ تو اُن کی تفسیر کا نسخہ بڑا ہے جس کو ابو جعفر رازی بواسطہ ربیع بن انس از ابو العالیہ از ابی بن کعبؓ روایت کرتے ہیں۔ اور یہ سند صحیح ہے۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور اسی طرح حاکم اپنی مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اس سے روایت کرتے ہیں۔

موصوف کے بعد حبر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تفسیر لکھی، جس کا نسخہ امام احمد بن حنبلؒ کے زمانہ میں مصر میں موجود تھا۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بواسطۂ مجاہد اور سعید بن جبیرؒ اسی سے روایتیں کی ہیں۔ چنانچہ ابو الخیر طاش کبری زادہ کا بیان ہے:

قال احمد بن حنبلؒ بمصر صحیفۃ فی التفسیر رواھا علی بن ابی طلحۃ لو رحل رجل فیہا الی مصر قاصداً ما کان کثیراً واعتمد علی ھذہ النسخۃ البخاری فی صحیحہ فیما نقلہ عن ابن عباس وبینہ وبین	امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا تفسیر میں ایک صحیفہ مصر کے اندر موجود ہے جس کو علی بن ابی طلحہ روایت کرتے ہیں اگر کوئی اس کی طلب میں مصر کا سفر کرے تو یہ کوئی بڑا کام نہیں ہے اور یہ وہ نسخہ ہے جس پر امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ان روایتوں

[1] مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ۔ ج ۱ ص ۴۰۴۔ طبع اوّل مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۲۸ھ
واضح رہے کہ ہم نے اپنی بیان کردہ کتابوں کے متعلق جو لفظ اول اور پہلا لفظ استعمال کیا ہے وہ اس موضوع پر اپنے تتبع اور تلاش کے بعد کیا ہے۔ ممکن ہے مزید جستجو کے بعد کچھ اور کتابوں کا بھی سُراغ لگ سکے۔

ابن عباس داسطۃ وہی مجاہد او سعید بن جبیر قال ابن حجر بعدان عرفت الواسطۃ وہی ثقۃ فلاضیر فی ذلک[1] ۔	پر جو انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے نقل کی ہیں اس پر اعتماد کیا ہے ۔ اور علی بن ابی طلحہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے ۔ اور وہ مجاہد یا سعید بن جبیر کا ہے ۔ حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ واسطہ معروف اور ثقہ ہے تو پھر روایت کرنے میں کوئی نقصان نہیں ۔

عہدِ تابعین میں پہلی تفسیر

پہلی صدی ہجری کے وسط میں کبار تابعین میں سے غالباً سب سے پہلے ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نامور شاگرد حضرت سعید بن جبیرؒ المتوفی ۹۳ھ[2] نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جو تفسیر سعید بن جبیر کے نام سے موسوم ہے ۔ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کو اسی نام سے ذکر کیا ہے[3] ۔ موصوف نے یہ تفسیر خلیفۂ وقت عبد الملک بن مروان کی درخواست پر لکھی جو شاہی کتب خانہ کی زینت بنی ۔ مؤرخِ اسلام حافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال میں رقمطراز ہیں :

کان عبد الملک بن مروان کتب یسأل سعید بن جبیر ان یکتب الیہ تفسیر القرآن فکتب الیہ[4] ۔	عبد الملک بن مروان نے حضرت سعید بن جبیر کو لکھا اور درخواست کی کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھ کر بھیج دیں ۔ اس کی فرمائش پر موصوف نے یہ تفسیر لکھی

حضرت سعید بن جبیرؒ کے بعد کبار تابعین میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تلمیذ خاص

---

[1] مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۱۰۴ ۔ واضح رہے کہ ابو الخیر طاش کبری زادہ کی یہ معلومات حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی کتاب اسباب النزول سے ماخوذ ہیں جن کو سیوطیؒ نے تفسیر در المنثور کی چھٹی جلد کے آخر میں نقل کیا ہے ۔

[2] حضرت سعید بن جبیرؒ کا سال وفات سنۃ الفقہاء کے نام سے مشہور ہے ۔ کیونکہ فقہاء مدینہ کا انتقال اسی سال ہوا تھا ۔ ابتداء سال میں حضرت علی بن الحسین بن زین العابدینؒ کا وصال ہوا ۔ پھر حضرت عروۃ ابن الزبیرؒ نے دفات پائی ، پھر حضرت سعید بن المسیبؒ ۔ حضرت ابو عبد الرحمٰن بن الحارثؒ اور اہل مکہ میں سے حضرت سعید بن جبیرؒ کا انتقال ہوا ۔ البدایہ والنہایۃ از حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ھ ج ۹ ص ۹۷ مطبعۃ السعادۃ بمصر ۔

[3] کتاب الفہرست ص ۵۱ ۔

[4] میزان الاعتدال فی نقد الرجال ۔ ج ۲ ص ۱۹۷ ۔ طبع قاہرہ ۱۳۲۵ھ ۔

ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحی بصری المتوفی ۹۳ھ نے قرآن کی تفسیر لکھی۔ ان کا رتبہ تفسیر میں حضرت سعید بن جبیرؒ سے بھی بلند تر ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

قال ابوبکر بن ابی داؤد لیس احد اعلم بالقرآن بعد الصحابۃ من ابی العالیۃ ثم سعید بن جبیرؒ[1]	ابوبکر بن ابی داؤد کا قول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ابو العالیہؒ اور پھر سعید بن جبیرؒ سے بڑھ کر قرآن کا کوئی عالم نہیں۔

موصوف سے اس تفسیر کے راوی ربیعؒ ابن انس المتوفی ۱۳۶ھ ہیں۔ ابو اسحاق احمد بن محمد نیشا بوری ثعالبی المتوفی ۴۲۷ھ نے کتاب الکشف والبیان عن تفسیر القرآن[3] میں لکھا ہے کہ محمد بن کعب قرظی المتوفی ۱۰۸ھ اور عطاء بن ابی رباح المتوفی ۱۱۴ھ نے بھی قرآن مجید کی تفسیریں لکھی ہیں۔ یہ بھی بلند رتبہ تابعین میں سے ہیں۔

پھر قرآن مجید کی تفسیروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور اس فن نے ایسی ترقی کی کہ بڑے بڑے نامور مفسر پیدا ہوئے اور انھوں نے نہایت عمدہ کتابیں لکھیں اور دو چار صدی میں ایک دفتر بے پایاں تیار ہوگیا۔

فضائلِ قرآن

اسلام میں جس طرح قرآن مجید سب سے پہلے کتابی صورت میں مرتب ہوا اسی طرح اس کے علوم پر بھی کام کا آغاز سب سے پہلے ہوا۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری کے اوائل میں علومِ قرآن میں سے فضائل قرآن پر کام ہوا۔ یہ موضوع جتنا اہم ہے قدرت نے اس کے لئے اتنی ہی اہم شخصیت کا انتخاب بھی کیا۔ اور یہ کام سید القراء صحابی رسول حضرت ابو المنذر اُبی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۹ھ) کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ موصوف نے سب سے پہلے اس موضوع پر کتاب فضائل القرآن لکھی۔ ..... اُن کی یہ تصنیف علوم قرآن پر عہدِ اسلامی کی غالباً سب سے پہلی تصنیف ہے[4]۔ موصوف کے بعد اس موضوع پر بہت سے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱ ص ۶۳۔ طبع سوم حیدر آباد دکن ۱۳۷۵ھ۔

[2] کشف الظنون۔ ج ۱۔ کالم نمبر ۱۴۴۱۔

[3] الکشف والبیان عن تفسیر القرآن بحوالہ کشف الظنون۔ ج ۱ کالم نمبر ۴۵۳ و نمبر ۴۷۵۔

[4] الفہرست: ابو الفرج محمد بن اسحاق (ابن الندیم) ص ۵۵ مطبعہ رحمانیہ مصر ۱۳۴۸ھ۔ حاجی خلیفہ نے اس عنوان کے ماتحت امام شافعیؒ کو "اوّل من صنّف فیہ" کے الفاظ سے یاد کیا ہے جو صحیح نہیں۔

علماء نے کتابیں لکھیں جن کا تذکرہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں کیا ہے۔

نقطِ مصاحف پر پہلی تصنیف

پہلی صدی ہجری میں نقطِ مصاحف پر سب سے پہلے کبار تابعین میں سے قاضی بصرہ ابو الاسود دؤلی المتوفی ۶۹ھ نے جن سے ارباب سنن نے روایت کی ہے ایک مختصر رسالہ لکھا جس کا تذکرہ مشہور قاری علامہ ابو عمرو دانی المتوفی ۴۴۴ھ نے کتاب المحکم میں کیا ہے[۱]۔

دوسری صدی ہجری میں اس موضوع پر امام لغت خلیل بن احمد بصری المتوفی ۱۷۰ھ نے قلم اٹھایا، اور سب سے پہلے اس کے اسباب و علل سے بحث کی۔ اور انھیں کتابی صورت میں مرتب کر کے پیش کیا۔ اسی وجہ سے غالباً کتاب الفہرست میں ابن ندیم نے نقط مصاحف پر کتابیں گناتے ہوئے موصوف کا نام سر فہرست ذکر کیا ہے[۲]۔ اور ابو عمرو دانی نے جن کا شمار حفاظ حدیث کے زمرہ میں ہے موصوف کو کتاب المحکم میں ابو الاسود دؤلی کے بعد "اوّل من صنّف" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، فرماتے ہیں:

اوّل من صنّف النقط و رسمہ فی کتاب و ذکر علله الخلیل بن احمد ثم صنف ذٰلک بعد جماعة من النحویین والمقرئین و سلکوا فیہ طریقته واتبعوا سنته واقتدوا بمذاہبہ[۳]۔	سب سے پہلے جس نے نقط پر کتاب تصنیف کی اور اس کو کتاب میں قلمبند کیا اور اس کے علل و اسباب کو بیان کیا وہ خلیل بن احمد ہے۔ پھر اس کے بعد قراء اور نحویوں کی ایک جماعت نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں اور انھوں نے اسی کے طریقہ کو اپنایا اور اسی کی روش کو اختیار کیا، اور اسی کے مسلک کی انھوں نے پیروی کی۔

اس کے بعد علامہ دانی نے ان تمام مصنفین کو جنھوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں نام بنام گنایا ہے۔

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں قرآن مجید کے خاص خاص موضوع اور مباحث پر جداگانہ اور مستقل تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا، اور ہر موضوع پر بلند پایہ ائمہ فن نے قلم اٹھایا اور بڑی خوبی کی بات یہ رہی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا رہا۔

۱۔ المحکم فی نقط المصاحف۔ ص ۴

۲۔ کتاب الفہرست ص ۵۳، إنباہ الرواۃ علی أنباہ النحاۃ: جمال الدین ابو الحسن علی قفطی المتوفی ۶۴۶ھ ج ۱ ص ۳۴۶۔ طبع اول دار الکتب المصریۃ قاہرہ ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء۔

۳۔ کتاب المحکم ص ۹۔

اسبابِ نزول پر پہلی تصنیف

پہلی صدی ہجری کے اختتام پر یا دوسری صدی ہجری کے اوائل میں قرآن مجید کے اسبابِ نزول پر سب سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نامور شاگرد حضرت عکرمہ مدنی مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما المتوفی ۱۰۵ھ نے جن سے بخاری اور دیگر اربابِ صحاح نے روایت کی ہے، کتاب لکھی جس میں وہ تمام معلومات جمع کیں جو موصوف نے اپنے استاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنی تھیں[1]۔ سیوطیؒ نے امام بخاری کے استاد حافظ ابو الحسن علی بن عبداللہ المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کو "الاتقان" میں اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں "اوّل مَن صنّف" کے الفاظ سے جو یاد کیا ہے وہ بظاہر جامعیت کے اعتبار سے ہے[2]۔

مقطوع و موصولِ قرآن پر پہلی کتاب

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں کبار تابعین اور قراء سبعہ میں سے قاضیِ دمشق عبداللہ ابن عامر یحصبی[3] المتوفی ۱۱۸ھ نے سب سے پہلے قرآن مجید کے مقطوع اور موصول پر کتاب تصنیف کی

ف[1] کتاب الفہرست، ص ۵۷۔ ف[2] کشف الظنون ج ۱، کالم نمبر ۷۶۔

ف[3] عبداللہ بن عامر دمشقی قراء سبعہ میں تیسرے امام اور ابو عمرو بن العلاء چوتھے امام ہیں (جن کا ذکر آگے آئے گا) قراء سبعہ میں ان دونوں کے سوا کوئی عرب نہیں سب عجمی ہیں۔ پھر ابو عمرو بن العلاء بصری نحو و لغت کے بھی متفق علیہ امام ہیں۔ محمود بن عمر زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ جو بلند پایہ ادیب اور ماہر فن لغوی ہیں وہ اپنے اعتزال کی وجہ سے ایسی قراآت پر جو اصولِ نحو کے خلاف نظر آتی ہیں اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے، اور ائمۂ فن پر بھی حرف گیری کے بغیر نہیں رہتے ہیں۔ موصوف نے ان دونوں ائمۂ فن کی قراآت پر سخت اعتراض کئے ہیں۔ چنانچہ آیت شریفہ :

وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ
قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ
وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ
مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝

اور اسی طرح مزین کر دیا بہت سے مشرکوں کی نگاہ میں اُن کی اولاد کے قتل کو اُن کے شریکوں نے تاکہ اُن کو ہلاک کریں اور رَلا ملا دیں اُن پر اُن کے دین کو اور اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔

میں ابن عامرؒ کی قراءت قتلُ اولادَہم شرکائِہم ہے جس میں لفظ قتل مرفوع اور لفظ اولادہم منصوب (باقی برصفحہ ۶۳)

جو مقطوع القرآن و موصولہ کے نام سے موسوم ہے۔[۱] اسی طرح مصاحف کی تاریخ تدوین اور

(بقیہ حاشیہ ص۶۲) اور شرکائہم کو اضافت کی وجہ سے مجرور پڑھا گیا ہے جس کی وجہ سے مضاف مضاف الیہ میں فصل واقع ہو جاتا ہے جو اصولِ نحو کے خلاف ہے۔ اس پر زمخشری لکھتے ہیں:

والفصل بینھما بغیر الظرف فشیٔ لو کان فی مکان الضرورات وھو الشعر لکان سمجا مردودا کما سمج ورد ؎

زج القلوص ابی مزادہ

فکیف بہ فی الکلام المنثور فکیف بہ فی القرآن المعجز بحسن نظمہ وجزالتہ والذی حملہ علیٰ ذٰلک ان رأی فی بعض المصاحف شرکائہم مکتوبًا بالیاء۔

مضاف اور مضاف الیہ میں بغیر ظرف کے فصل واقع ہونا عجیب ہے۔ اگر ضرورت کے مواقع پر ہوتا اور وہ شعر ہے تو بھی یہ ناقابلِ قبول اور قبیح تھا جس طرح کہ یہ مصرعہ قبیح اور مردود ہے ؎

زج القلوص ابی مزادہ

پھر یہ نثر میں کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے، اور وہ بھی قرآن میں جو اپنی جزالت اور حسنِ نظم کے لحاظ سے کلام معجز نظام ہے جس بات نے ابن عامر کو اس قرأت پر آمادہ کیا وہ ان کا کسی مصحف میں شرکائہم حرف یاء سے لکھا ہوا دیکھنا ہے۔"

(الکشاف مطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ ۱۳۶۵ھ ج ۲، ص ۷۰)

اور آیت پاک:

یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللّٰہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔

پھر بخشیگا جس کو چاہے اور عذاب کریگا جس کو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

میں ابو عمرو بن العلاء کی قرأت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومدغم الراء فی اللام لاحن مخطیٔ خطأً فاحشًا وراویہ عن ابی عمرو مخطیٔ مرتین لانہ یلحن وینسب الی اعلم الناس بالعربیۃ مایؤذن بجہل عظیم والسبب فی نحو ھذہ الروایات قلۃ ضبط الرواۃ والسبب فی قلۃ الضبط قلۃ الدرایۃ۔

(الکشاف ج ۱ ص ۳۳۰)

را کا لام میں ادغام کرنے والا نہایت فاحش غلطی کا مرتکب ہے اور اس کا ابو عمرو سے راوی دو غلطیوں کا مرتکب ہے۔ کیونکہ وہ غلطی کرتا ہے اور عربیت کے سب سے بڑے عالم کی طرف نسبت کرتا ہے ایسی بات جو اس کے جہل عظیم کا اعلان کرتی ہو اور اس قسم کی روایات میں غلطی کا سبب راویوں کے ضبط کی کمی ہے اور ضبط کی کمی کا سبب

(باقی بر صفحہ ۶۴)

[۱] کتاب الفہرست، ص ۵۵۔

اختلافِ مصاحف کے موضوع پر سب سے پہلے موصوف ہی نے قلم اٹھایا اور اختلاف مصاحف الشام والحجاز والعراق کے نام سے کتاب مرتب کی۔ ان کے بعد امام ابو الحسن علی بن حمزہ کسائی المتوفی ۱۸۹ھ نے کتاب اختلاف مصاحف اہل المدینۃ واہل الکوفۃ والبصرۃ لکھی۔ اور پھر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳) بیضاوی وغیرہ جن کی تفسیریں کشاف سے ماخوذ ہیں اس قرآت کو لحن قرار دیا ہے، اور تعجب احمد بن المنیر الاسکندری المتوفی ۶۸۳ھ پر ہے جس نے الانتصاف میں اس مقام پر ایک حرف نہیں لکھا گو اور مواقع پر خوب کلام کیا ہے۔ لیکن ابو حیان الاندلسی المتوفی ۷۴۵ھ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں ہر مقام پر خوب لکھا ہے اور زمخشری کے اغلاط پر تنبیہ کی ہے۔

ابن عامر اور ابو عمرو دونوں امامِ فن ہیں پھر قرآتِ سبعہ تواتر سے ثابت ہیں۔ قرآن مجید نحویانِ بصرہ کے اصول و قواعد کا پابند نہیں، جیسا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مسناد لیا ہی قراء نے ضبط کیا، پڑھا اور پڑھایا، اور کبھی ایسی قرآت نہیں کی اور نہ جائز قرار دی جو اصولِ نحو کے اعتبار سے صحیح ہو لیکن وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو۔ یہ تو شدتِ ضبط کی نہایت قوی دلیل ہے۔ چنانچہ امامِ لغت حسین بن احمد المعروف بابن خالویہ المتوفی ۳۷۰ھ جو قرآت میں ابن مجاہد کے شاگرد ہیں اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن العظیم میں رقمطراز ہیں:

یجوز فی النحو مالِکُ یوم الدین بالرفع
علی معنی ہو مالک ولا یقرأ بہ لانّ القرآۃ
سنۃ ولا تحمل علی قیاس العربیۃ۔
(اعراب ثلاثین سورۃ طبع قاہرہ ۱۳۶۰ھ ص۲۴)

نحو کے اعتبار سے مالکِ یوم الدین میں مالک کو
مرفوع پڑھنا بھی درست ہے، معنی ہوں گے "ہو مالک"
وہ مالک ہے۔ لیکن اس طرح سے پڑھا نہیں جا سکتا
کیونکہ قرآت سنت ہے اس کو عربیت کے اعتبار سے روا نہیں کہا جا سکتا۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

والقرآۃ سنۃ یا خذ ہا آخر من
اوّل ولا تحمل علی قیاس العربیۃ۔
ص۴۲

اور قرآت سنت ہے اس کو خلف نے سلف سے
سیکھا ہے اس کو عربیت کے اعتبار سے پڑھنے
کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

مشہور مستشرق گولڈزیہر نے "مذاہب التفسیر الاسلامی" ص۵۶ (طبع قاہرہ ۱۳۷۴ھ) میں انہی باتوں کو نقل کر کے اختلافِ مذاہب کی نشان دہی کی ہے۔

زمخشری کا اس کو قلّتِ ضبط اور قلّتِ درایۃ قرار دینا صحیح نہیں۔ ابو عمرو بن العلاء جیسا امامِ فن جس کا مرتبہ لغت و نحو میں سیبویہ اور خلیل سے بھی بلند تر ہے اور جو نحاۃِ بصرہ کا متفق علیہ امام ہو (باقی بر ص۶۵)

امامِ لغت فرّاء المتوفی سنہ ۲۰۷ھ نے اختلاف اھل الکوفہ والبصرۃ والشام فی المصاحف ترتیب[1] دی اوراس کے بعد بہت سے اہل قلم نے اس موضوع پر تصانیف کیں۔ محدّث ابو بکر عبداللہ بن ابی داؤد السجستانی المتوفی سنہ ۳۲۷ھ کی کتاب المصاحف، مستشرق آرثر جفری کے مقدمہ کے ساتھ سنہ ۱۳۵۵ھ میں قاہرہ سے شائع ہوچکی ہے۔

غریب القرآن پر سب سے پہلی تصنیف

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ابان بن تغلب بجری الکوفی المتوفی سنہ ۱۴۱ھ نے جن سے امام مسلم اور اربابِ سنن نے روایت کی ہے سب سے پہلے قرآن مجید کے غریب الفاظ کو جمع کیا، اور غریب القرآن کے نام سے کتاب تصنیف کی[2]۔ موصوف کے بعد غریب القرآن کے موضوع پر بہت سے ائمۂ لغت نے کتابیں تصنیف کیں لیکن اس موضوع پر فرّاء کے شاگرد ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یحییٰ الیزیدی المتوفی سنہ ۲۶۰ھ جن کو حسب تصریح حافظ عبدالکریم سمعانی، قرآن اور مسائلِ قرآن میں امتیاز خاص حاصل تھا نہایت جامع کتاب تصنیف کی[3]۔ جس میں قرآن مجید کے تمام غریب الفاظ کو مع شواہد بیان کیا ہے یہ کتاب چھ جلدوں میں ہے۔ اس کا نسخہ وزیر جمال الدین القفطی المتوفی سنہ ۶۴۶ھ کی نظر سے گذر چکا ہے۔ موصوف اس کے متعلق انباہ الرّواۃ میں رقمطراز ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴) جن کا مسلک رَا متحرک اور لام متحرک میں اظہار کرنا ہے وہ بھی خلاف مسلک روایت کرے۔ یہ ضبط صحیح کی دلیل ہے اوراس سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ وہ اس معاملہ میں تنگ نظر نہ تھے۔ وہ نحویانِ کوفہ کے مسلک کو بھی حق سمجھتے تھے جو ادغام کو جائز قرار دیتے ہیں۔ نیز قرأۃ میں سماع کو حجت اور قرأت کو اصولِ نحو کا پابند نہیں سمجھتے تھے اس اختلاف سے اس حقیقت کا بھی سُراغ لگتا ہے کہ ائمۂ فن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأآت کے وجوہ اور طرز ادا کی حفاظت میں کس احتیاط اور ضبط اور فراخ حوصلگی کا ثبوت دیا ہے جس کی نظیر سے تاریخ عالم قاصر ہے۔

[1] کتاب الفہرست ص ۵۴۔

[2] کتاب الفہرست ص ۳۰۸ و معجم الادباء: یاقوت رومی المتوفی سنہ ۶۲۶ھ ج ۱ ص ۳۵، طبع دوم مطبعہ ہندیہ قاہرہ سنہ ۱۹۲۳ء۔

[3] کتاب الانساب: حافظ ابو سعد عبدالکریم سمعانی المتوفی سنہ ۵۶۲ھ۔ نسبت یزیدی۔

عبداللہ بن یحییٰ بن المبارک ابو عبدالرحمٰن صنّف کتاباً فی غریب القرآن حسناً فی بابہ و رآیتہ فی ستۃ مجلّدات یستشہد علیٰ کل کلمۃ من القرآن بابیات من الشعر[۱]	ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یحییٰ بن المبارک نے غریب القرآن کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی جو اپنے موضوع پر عمدہ کتاب ہے اور میں نے اس کو دیکھا ہے وہ چھ جلدوں میں ہے قرآن کے ہر کلمہ پر اشعار کو بطور سند پیش کیا ہے۔

اسی موضوع پر ابن قتیبہ دینوری المتوفی ۲۶۷ھ کی غریب القرآن سید احمد صقر کی تصیح اور تعلیقات کے ساتھ قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے اس سے پیشتر موصوف کی کتاب غریب القرآن اور مشکل القرآن دونوں ۱۳۵۵ھ میں قاہرہ سے کتاب القرطین کے نام سے چھپ چکی ہیں۔

غریب القرآن پر سب سے مختصر کتاب

غریب القرآن کے موضوع پر علامہ محمد بن عزیز السجستانی المتوفی ۳۳۰ھ کی کتاب غریب القرآن سب سے مختصر تالیف ہے۔ یہ کتاب کئی مرتبہ قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔ کہنے کو یہ ایک مختصر رسالہ ہے لیکن پندرہ سال کی طویل مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا اس سے ناظرین کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ایک زمانہ تھا کہ ائمۂ فن قرآن کی لغت کی ترتیب و تدوین میں کیسی محنت کرتے تھے، اور انھیں ایک رسالہ کی تیاری میں کتنا زمانہ لگتا تھا[۲]۔

ہندوستان میں اِس موضوع پر سب سے پہلی کتاب

ہندوستان میں لغات القرآن پر سب سے پہلے بارھویں صدی ہجری میں کام ہوا۔ اور شیخ محمد مراد بخاری کشمیری نے اس موضوع پر ایک جامع کتاب لکھی جس کا نام جامع المفردات ہے۔ موصوف کو عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ انھوں نے جامع المفردات میں ہر لفظ کے معنی عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں لکھے ہیں۔ پہلی ترتیب سورتوں پر ہے اور دوسری ترتیب حروف تہجی پر ہے۔ یعنی پہلے سورۂ بقرہ کے الفاظ کو بیان کیا اور اس میں بھی حروفِ تہجی کا لحاظ رکھا ہے۔ موصوف نے اس کی تالیف سے ۱۱۳۱ھ میں فراغت پائی تھی۔

[۱] کتاب انباہ الرّواۃ۔ ج ۲، ص ۱۵۱،

[۲] نزہۃ الالبّا فی طبقات الادبا، تالیف ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن محمد الانباری المتوفی ۵۷۵ھ ص ۳۸۶ طبع مصر ۱۲۹۴ھ۔

----------ہندوستان میں مفردات القرآن کے موضوع پر یہ اپنی نوعیت کی پہلی اور آخری کتاب ہے جس میں الفاظ قرآن کے معانی تینوں زبانوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب گیارہ سو تیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا ایک مخطوطہ جو فارسی رسم الخط میں ہے، اور ۱۱۶۹ھ کا لکھا ہوا ہے۔ جامع ازہر کے کتب خانے میں محفوظ ہے[۱]۔

پھر اس موضوع پر مولانا حمید الدین فراہی نے عربی زبان میں مفردات القرآن لکھی جو شائع ہو چکی ہے۔

----------اردو زبان میں وقت کے نامور فاضل مولانا محمد عبد الرشید نعمانی نے اس موضوع پر کم و بیش دس بارہ برس کی محنت کے بعد لغات القرآن حرف عین تک چار جلدوں میں مکمل کی تھیں جو ندوۃ المصنفین دھلی سے شائع ہو چکی ہیں۔ پاکستان میں عصر حاضر کے نامور متجدد غلام احمد پرویز نے ادنیٰ تصرف اس سرمایہ کو اپنی کتاب لغات القرآن میں منتقل کر لیا ہے اور مولانا کے گرانقدر ماخذوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے یہاں لین (Lane) کی ڈکشنری (مدّ القاموس An Arabic English Lexicon) کا اضافہ کر دیا جس کی علمی دیانت اور وسعتِ نظر کا یہ عالم ہے کہ مقدمہ کتاب میں اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود کہ اس بات کو نہ کسی محقق نے تسلیم کیا ہے اور نہ خود میں اس پر یقین رکھتا ہوں یہ بے سر و پا الزام نقل کر ہی دیا ہے کہ تاج العروس سید مرتضیٰ زبیدی کی تالیف نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مغربی عالم کی تصنیف ہے جس کا نام معلوم نہیں وہ حج کے لئے جاتے ہوئے قاہرہ میں اُترا اور صحرائے عرب میں کتاب کے ضائع ہونے کے خیال سے تاج العروس سید مرتضیٰ زبیدی کے حوالہ کر گیا حجاز میں اس کا انتقال ہو گیا اور سید مرتضیٰ زبیدی نے اس کو اپنے نام سے شائع کر دیا۔

لین (Lane) نے سید مرتضیٰ زبیدی کی تاج العروس سے جس طرح استفادہ کیا ہے اسی طرح مقدمہ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ سید مرتضیٰ زبیدی نے آغاز کتاب ہی میں اس مغربی عالم کا نام بھی ذکر کیا ہے جو اُن کے شیوخ میں سے تھے اور ان کے اس علمی کارنامہ کو سراہا بھی ہے نیز اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے کہ اُن کی شرح میرے پاس موجود ہے۔ اور اکثر جگہ میں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ موصوف کے الفاظ ہیں:

---

[۱] فہرس المکتبۃ الازہریۃ ج۔۱۔ ص ۱۷۲ طبع دوم مطبعۃ الازہر ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۲ء۔

ومن اجمع ما كتب عليه مما سمعت و رأيت شرح شيخنا الامام اللغوي ابی عبد الله محمد بن الطيب بن محمد الفاسی المتولد ۱۱۱۰ھ والمتوفی بالمدينة المنورة ۱۱۷۰ھ وهو عمدتی فی هذا الفن والمقلد جيدی العاطل بحلی تقريره المستحسن وشرحه هذا عندی فی مجلدين ضخمين (تاج العروس، ص ۳)	اور قاموس کی جو سب سے زیادہ جامع شرح لکھی گئی ہے جس کا سماع مجھے بھی حاصل ہے اور میں نے اس کو دیکھا بھی ہے وہ ہمارے شیخ امام لغوی ابو عبد اللہ محمد بن طیب بن محمد کی ہے جن کی ولادت فاس میں ۱۱۱۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۱۷۰ھ کے اندر مدینہ میں ہوئی وہی شرح اس فن میں میری اساس ہے اور وہی میری برہنہ گردن کو اپنی پسندیدہ تقریروں کے زیور

سے آراستہ کرنے والی ہے اُن کی یہ شرح دو ضخیم جلدوں میں میرے پاس موجود ہے۔

اس تصریح کے بعد یہ الزام نقل کرنا اور یہ کہہ کر کہ اس کے مؤلف کا نام معلوم نہیں ہوا درپردہ اس الزام کی تائید کرتا ہے۔ اور یہ مستشرقین کا عام شیوہ ہے ... اسی طرح سے پطرس بستانی کی محیط المحیط کے حوالے سے بھی کتاب مذکور کو زینت بخشی ہے۔ بستانی وہی لغوی ہے جس نے لفظ مسیح کے معنی یہ بھی کئے ہیں:

والمسيح ايضاً لقب الربّ يسوع	اور مسیح یسوع (عیسیٰؑ) رب کا لقب بھی ہے۔

لفظ مسیح کے یہ معنی کسی عرب لغت نویس سے منقول نہیں۔

عبرت کا مقام ہے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو اہلِ زبان اور قرآن کے مخاطب اوّل ہی نہ تھے بلکہ انہی کو یہ فخر حاصل تھا کہ قرآن نے اُن کے لئے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کے الفاظ استعمال کئے۔ انھوں نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے الفاظ قرآن کے جو معانی اور مطالب سمجھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معانی بتائے انھیں نقل کرنا جناب پرویز کی نظر میں موجبِ ندامت اور باعثِ ننگ ہے۔ لین (Lane)، اور پطرس بستانی جو اہلِ زبان بھی نہیں مسلمان بھی نہیں اور اہل لغت کی نظر میں قابلِ استناد بھی نہیں ان سے الفاظ قرآن کے معانی نقل کرنا اُن کے لئے قابلِ فخر و ناز ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ کبھی مسلمانوں کا وہ زمانہ بھی تھا جب یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کے معانی مسلمان علماء سے پوچھنا فخر سمجھتے تھے، اور آج پاکستان کے متجدِّدِ عصر جناب پرویز قرآن کے معانی کی وضاحت کے لئے مستشرقین (جن کی علمی عظمت کا بیان اوپر گزر چکا)

کی دریوزہ گری کو کارنامۂ فخر سمجھتے ہیں۔ اقبال نے سچ فرمایا ہے ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ یقین ہے کہ معانیِ قرآن پر جب تک لین (Lane) اور بُستانی جیسے مستشرقین کی مہرِ استناد ثبت نہ ہو جائے الفاظ قرآن کی صحیح ترجمانی نہیں ہو سکتی۔ جناب پرویز کا اشہبِ قلم جہاں مولانا نعمانی کی تحقیقات سے آگے بڑھا ہے وہی موصوف کی تحقیقات کا وہ میدان ہے جہاں اسلام کے بلند سے بلند مفسّر اور عرب کے بڑے سے بڑے لغوی کا طائرِ خیال بھی پرواز سے عاجز ہے۔

ناسخ و منسوخ پر پہلی تصانیف

دوسری صدی ہجری میں مشہور مفسّر اور فقیہ خراسان مقاتل بن سلیمان المتوفی ۱۵۰ھ اور علامہ حسین بن واقد المروزی المتوفی ۱۵۷ھ نے قرآن مجید کے ناسخ و منسوخ پر قلم اٹھایا اور کتاب الناسخ والمنسوخ لکھیں۔[۱] اس موضوع پر قدما کی کتابوں میں سے امام نسائی کے

---

[۱] کتاب الفہرست ص ۵۱ و ۲۵۴۔ واضح رہے تذکرہ نگاروں کا یہ بیان ہے کہ علم ناسخ و منسوخ کے موجد اوّل امام شافعیؒ ہیں۔ حافظ عبدالقادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ کا بھی یہی خیال ہے کہ علم ناسخ و منسوخ کی طرف سب سے پہلے امام شافعیؒ نے رہبری کی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

یقول الناس ان الشافعی لہ فضل علی کل احدٍ والبیہقی فضلہ علی الشافعی فواللہ ماقال ھٰذا من شمّ توجہ الشافعی وعظمتہ ولسانہ فی العلوم لقد اخرج الشافعی باباً من العلم ما اہتدیٰ الیہ الناس من قبلہ وہو علم الناسخ والمنسوخ (الجواہر المضیئۃ ج ۲ ص ۴۳۲ طبع اوّل حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ)	لوگ کہتے ہیں امام شافعی کا احسان ہر ایک پر ہے۔ بخدا یہ اس کا قول نہیں جس نے امام شافعی کی توجہ کی بو بھی سونگھ لی اور امام شافعی کی عظمت اور علوم میں اُن کی مہارت کو سمجھا، خدا کی قسم امام شافعی نے علم کا ایک ایسا باب نکالا ہے جس کی طرف اُن سے پہلے کسی کو راہ یابی نہیں ہوئی۔ اور وہ ناسخ و منسوخ کا علم ہے۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مناقب نگاروں کا یہ خیال قرینِ صحت نہیں اس موضوع پر امام شافعی کی پیدائش سے پہلے ہی

شاگرد ابوجعفر نحاس احمد بن محمد مصری نحوی المتوفی ۳۳۸ھ کی کتاب الناسخ والمنسوخ مطبعۃ السعادۃ مصر سے ۱۳۳۸ھ میں شائع ہوچکی ہے۔

وجوہ ونظائرِ قرآن پر پہلی تصانیف

اسی زمانہ میں قرآن مجید کے وجوہ ونظائر پر کام ہوا اور مقاتل بن سلیمان اور قاضیِ مروحسین بن واقد مروزی المتوفی ۱۵۷ھ نے جن سے بخاری ومسلم نے روایت کی ہے اسی موضوع پر کتاب وجوہ القرآن تصنیف کی[۱]

متشابہ القرآن پر پہلی کتاب

متشابہ القرآن پر بھی غالباً سب سے پہلے مقاتل بن سلیمان نے کتاب لکھی[۲]

حروفِ قرآن پر پہلی کتاب

اسی زمانہ میں قرآن مجید کے حروف پر سب سے پہلے امام ابوعمرو بن العلاء البصری المتوفی ۱۵۴ھ نے جن کا شمار قراء سبعہ میں ہے۔ اور بخاری ومسلم نے اُن سے روایت کی ہے حروف القرآن کے نام سے کتاب تصنیف کی[۳] جس کو ایک زمانہ تک بسند روایت کیا جاتا تھا۔ چنانچہ وزیر جمال الدین قفطی، عبید اللہ بن محمد یزیدی المتوفی ۲۸۴ھ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

عبید اللہ بن محمد الیزیدی سمع عبد الرحمٰن بن اخی الاصمعی وروی عن عمہ ابراہیم بن یحییٰ واخیہ احمد بن محمد عن جدہ ابی محمد الیزیدی عن ابی عمرو بن العلاء حروفہ فی القرآن[۴]

عبید اللہ بن محمد یزیدی نے اصمعی کے بھتیجے عبد الرحمٰن سے سماع کیا اور اپنے چچا ابراہیم بن یحییٰ اور اپنے بھائی احمد بن محمد عن جدہ ابی محمد یزیدی کے واسطہ سے ابوعمرو بن العلاء سے اُن کی تالیف حروف القرآن کے راوی ہیں۔

قراآت پر پہلی تصانیف

اسی طرح قراآت کے موضوع پر بھی غالباً سب سے پہلے ابوعمرو بن العلاء نے کتاب القراآت تصنیف کی۔ اُن کے ہمعصر ابان بن تغلب[۵] اور مقاتل بن سلیمان[۶] نے بھی کتاب القراآت لکھی تھیں۔

۱؎ کتاب الفہرست ص ۲۵۴، ص ۳۱۹۔
۲؎ کتاب الفہرست ص ۲۵۴، ۵۵۔
۳؎ کتاب الانساب ورق ۱۶۰۔
۴؎ انباہ الرواۃ ج ۲ ص ۱۵۳۔
۵؎ کتاب الفہرست ص ۳۰۸۔
۶؎ کتاب الفہرست ص ۲۵۴۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بغیۃ الوعاۃ میں ہارون بن موسیٰ الاعور کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ موصوف نے سب سے پہلے قراآت پر کتاب تصانیف کی۔ لکھتے ہیں:

وہو اول من تتبع وجوہ القراآت والفہا وتتبع الشاذ منہا وبحث علی اسنادہ[۱]	اور آپ نے سب سے پہلے وجوہ قراآت کو تلاش کیا اور شواذ کی جستجو کی اور اس کی سند وں سے بحث کی ہے۔

ہارون بن موسیٰ چونکہ نسلاً یہودی تھے اس لئے مشہور مستشرق گولڈزیہر نے اپنی کتاب "مذاہب التفسیر الاسلامی" میں اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے کہ اس فن پر سب سے پہلے ایک یہودی النسل مسلمان نے قلم اٹھایا اور کتاب لکھی، بڑا فخر محسوس کیا ہے۔[۲] جلال الدین سیوطیؒ کو ہارون بن موسیٰ سے پہلے کے مصنفین معلوم نہ ہوسکے، اور انھوں نے ان کو پہلا مصنف قرار دیدیا۔ مستشرق موصوف نے اسی کو منتہائے تحقیق سمجھ لیا، موصوف اگر کتابوں کی طرف مراجعت کرلیتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہوجاتی کہ ہارون بن موسیٰ کو اس باب میں اوّلیت کا شرف حاصل نہیں۔ اُن کے استاذ ابوعمرو بن العلاء جن سے ہارون بن موسیٰ نے فنِ قراآت کی تحصیل کی تھی[۳] اور ان کے شیخ ابان بن تغلب[۴] (جیسا کہ ذکر گزر چکا) اس فن پر ان سے پہلے کتابیں لکھ چکے تھے، مقاتل بن سلیمان کی کتاب بھی ان سے پیشتر مرتب ہوگئی تھی، سیوطیؒ کو ان کی کتابوں کا علم نہیں تھا، اسی وجہ سے انھوں نے موصوفؒ کو وجوہِ قراآت پر پہلا مصنف قرار دیا۔ ہر مؤرخ اور تذکرہ نگار اپنے علم کے مطابق لکھتا ہے، چنانچہ علامہ ابوالخیر محمد بن محمد الجزری المتوفی ۸۳۳ھ نے کتاب النشر فی القراآت العشر میں اس موضوع پر پہلا اور قابلِ اعتبار مصنف ابوعبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ کو قرار دیا ہے،[۵] حالانکہ ان سے پیشتر امام کسائی نے اس موضوع پر کتاب لکھی تھی[۶] جن کے ثقہ اور قابلِ وثوق ہونے میں کیسے کلام ہوسکتا ہے، قراء سبعہ میں ساتویں امام ہیں۔ اور اسی طرح سے غایۃ النہایہ

۱۔ بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ ص ۴۰۶ طبع اول مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۲۶ھ۔

۲۔ تہذیب التہذیب: حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ۔ ج ۱۱ ص ۱۴ طبع اوّل حیدرآباد دکن ۱۳۲۷ھ۔

۳۔ مذاہب التفسیر الاسلامی: ترجمہ عبدالحلیم نجار، ص ۵۶، طبع قاہرہ ۱۳۷۳ھ۔

۴۔ تاریخ بغداد از ابوبکر خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ۔ ج ۱۴ ص ۲۔ طبع قاہرہ۔

۵۔ کتاب النشر۔ ۶۔ کتاب الفہرست ص ۹۸۔

میں امام ابو عمر حفص بن عمر دوری المتوفی ۲۴۸ھ کے متعلق لکھتے ہیں:

اوّل من جمع القراءات۔[1] (موصوف نے سب سے پہلے قراأت کو جمع کیا)

یہ محقق کا کام ہے کہ تحقیق کر کے صحیح نتیجہ کو پہنچے۔

احکام القرآن پر پہلی تصنیف

اسی زمانہ میں احکام القرآن کے موضوع پر سب سے پہلے محمد بن السائب کلبی المتوفی ۱۴۶ھ نے غالباً سب سے پہلے کتاب احکام القرآن لکھی۔[2] یہ اپنے کذب کی وجہ سے روایتِ حدیث میں محدثین کے یہاں ناقابلِ اعتبار ہے اس لئے اس کو حسنِ قبول حاصل نہ ہوا۔ اس موضوع پر پہلا معتبر مصنف امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ کو قرار دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ غالباً اس موضوع پر اُن کی کتاب کی شہرت ہے۔ یہ شہرۂ آفاق کتاب سید عزت العطار کی مساعی اور محدّث ناقد شیخ محمد زاہد کوثری کی تصحیح و تعلیقات کے ساتھ قاہرہ سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہو چکی ہے۔ واضح رہے یہ کتاب امام شافعیؒ کی تصنیفات سے نہیں ہے۔ یہ حافظ ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ کی تالیف ہے۔ موصوف نے احکام سے متعلقہ آیات کی تشریح و توضیح کو امام شافعیؒ کی تصانیف سے یک جا کر کے احکام القرآن کا نام دیدیا جو آج بھی اسی مناسبت کی وجہ سے احکام القرآن للامام الشافعی کے نام سے یاد کی جاتی ہے اس کے برعکس اُن کے ہمعصر حافظ یحییٰ بن آدم قرشی المتوفی ۲۰۳ھ نے اس موضوع پر دو کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ایک کا نام احکام القرآن ہے اور دوسری کتاب ایجاب التمسک باحکام القرآن کے نام سے موسوم ہے۔ لہٰذا اس باب میں بھی اوّلیت کا سہرہ حافظ یحییٰ بن آدم قرشی کے سر ہے۔[3] اُن کے بعد اس موضوع پر نامور ائمۂ فن نے نہایت عمدہ تصانیف یادگار چھوڑیں۔

ہندوستان میں احکام القرآن پر پہلی تصنیف

ہندوستان میں اس موضوع پر سب سے پہلے ملّا جیون احمد بن ابی سعید صالحی امیٹھوی المتوفی ۱۱۳۰ھ نے التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیۃ مع تعریفات المسائل الفقهیۃ تالیف کی جس میں قرآن مجید کی کم و بیش پانچ سو آیتوں کی تشریح و توضیح حنفی نقطۂ نگاہ سے

---

[1] غایۃ النہایہ از شمس الدین محمد جزری المتوفی ۸۳۳ھ۔ ج ۱ ص ۲۵۵ ۔ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء۔

[2] کتاب الفہرست ص ۵۷۔

[3] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست ص ۵۷۔

کی ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ موصوف کی دَورِ طالبعلمی کی تصنیف ہے۔ سب سے پہلے یہ کتاب حکیم عبدالمجید دہلوی کے فرزند حکیم عبدالماجد کی مساعی اور اہتمام سے کلکتہ میں اس طرح سے چھپی تھی کہ اس کا ایک ثلث مطبع طبی اور بقیہ دو ثلث مطبع اخوان الصفا محلہ مصری گنج کلکتہ میں سنہ ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء میں چھپ کر مکمل ہوا۔ یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۶۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ خاتمۂ کتاب میں ملاجیون کا وہ بیان بھی طبع ہوا ہے جس میں موصوف نے آغاز سال تصنیف و تکمیل کو بیان کیا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے، لکھتے ہیں :

یقول الفقیر الی اللہ الغنی احمد المدعو جین (جیون) ابن ابی سعید بن عبداللہ بن عبدالرزاق بن خاصۃ خدا الحنفی المکی قد شرعت فی تسوید تفسیر الآیات الشرعیۃ فی البلدۃ الطیبۃ امیٹھی حین قرأت الحسامی بسنۃ الف و اربعۃ و ستین و سنی یومئذ ستۃ عشر سنۃ فرغت منہ سنۃ الف و تسعۃ و ستین فی البلد المبارکۃ المذکورۃ حین قرأت شرح مطالع الانوار سنی یومئذٍ احد و عشرون سنۃ ثم بعد ازمنۃ قد صححتہ بالنظر الثانی حین الدرس فی بلدۃ امیٹھی سنۃ الف و خمس و سبعین و سنی یومئذ سبعۃ و عشرون سنۃ الحمد للہ علی نوالہ والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

فقیر الی اللہ الغنی احمد (جو جیون کے نام سے پکارا جاتا ہے) بن ابی سعید بن عبداللہ بن عبدالرزاق بن خاصۂ خدا حنفی مکی عرض پرداز ہے کہ میں نے آیاتِ شریفہ کی تفسیر امیٹھ شہر میں لکھنا شروع کی تھی۔ یہ سنہ ۱۰۶۴ھ کا واقعہ ہے۔ جب میں حسامی پڑھتا تھا اور سولہ (۱۶) برس کا تھا۔ اور سنہ ۱۰۶۹ھ میں بلد مذکور میں اس سے فراغت پائی۔ جس وقت میں شرح مطالع الانوار پڑھتا تھا کاروانِ عمر اس وقت اکیسویں (۲۱) منزل طے کر رہا تھا۔ پھر کچھ زمانہ کے بعد سنہ ۱۰۷۵ھ میں امیٹھ کے اندر درس کے زمانے میں نظر ثانی کر کے اس کی صحت کی اور اس وقت میں ستائیس سال کا تھا۔

والحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام
علی رسولہ محمد و آلہ
واصحابہ اجمعین

اس کتاب کا اردو میں ترجمہ بھی مالک مطبع غوثیہ کلکتہ کے چھوٹے بھائی حاجی عبدالکریم خان خاکی الاتچی پوری نے کیا تھا جو کلکتہ سے دو مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ اس ترجمہ کا نام

مواہب المرام فی تفسیر الاحکام المعروف تفسیر فتح الکریم ہے۔ دوسری مرتبہ یہ ترجمہ ۱۳۱۹ھ میں مطبع غوثیہ کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ یہ بڑی تقطیع کے ۶۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

اجزائے قرآن پر تصانیف

اسی زمانے (دوسری صدی ہجری) میں اجزائے قرآن پر کام کا آغاز ہوا۔ اور اس فن پر پہلے قراء سبعہ میں سے امام ابو عمارہ حمزۃ بن حبیب کوفی المتوفی ۱۵۶ھ نے کتاب اسباع القرآن[۱] اور امام نافع بن عبد الرحمٰن مدنی المتوفی ۱۶۹ھ نے کتاب العواشر تصنیف کیں[۲]، اور محمد بن السائب کلبی نے کتاب تقسیم القرآن لکھی[۳]۔

وقف و ابتداء پر پہلی تصانیف

اسی طرح وقف و ابتداء کے موضوع پر کام کا آغاز بھی انہی ایام میں ہوا۔ چنانچہ حمزۃ بن حبیب نے کتاب الوقف والابتداء لکھی[۴]۔ اور وقف تام کے موضوع پر امام نافع بن عبد الرحمٰن نے کتاب وقف التمام تصنیف کی[۵]، پھر وقف و ابتداء کے موضوع پر امام کسائی کے استاد شیخ محمد بن علی الرواسی نے جن کو نحویانِ کوفہ کے مسلک پر کتاب لکھنے میں اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔ اس فن پر دو چھوٹی بڑی کتابیں کتاب الوقف والابتداء الکبیر اور کتاب الوقف والابتداء الصغیر لکھیں[۶]۔ شیخ رواسی کی کتاب معانی القرآن کا چرچا تو ابن الندیم کے زمانے تک تھا[۷]۔ اور اُن کے بعد بہت سے علماء نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔

متشابہ آیات پر پہلی تصنیف

دوسری صدی ہجری میں امام ابو الحسن علی بن حمزہ کسائی المتوفی ۱۸۹ھ نے جو قرّاء سبعہ میں ساتویں امام ہیں، سب سے پہلے متشابہ آیتوں پر کام کرنے کی طرح ڈالی۔ اور اس موضوع پر کتاب علم آیات المتشابہات یادگار چھوڑی۔ اس کا ذکر سیوطیؒ نے کتاب الاتقان میں بھی کیا ہے۔

فرقِ باطلہ کی تردید میں پہلی تصانیف

دوسری صدی ہجری میں محدث حرم حافظ ابو محمد سفیان بن عیینہ کوفی المتوفی ۱۹۸ھ

۱۔ کتاب الفہرست ص ۵۵۔
۲۔ 〃 〃 ص ۵۶۔
۳۔ 〃 〃 ص ۱۴۰۔
۴۔ 〃 〃 ص ۵۴۔
۵۔ کتاب الفہرست ص ۵۴۔
۶۔ کتاب معجم الادباء۔ ج ۷، ص ۴۲۔
۷۔ کتاب الفہرست ص ۹۶۔

نے جن سے ارباب صحاح نے روایت کی ہے غالباً سب سے پہلے فرق باطلہ کی تردید میں قلم اٹھایا، اور کتاب جوابات القرآن تصنیف[1] کی پھر اس موضوع پر علامہ قطرب ابو علی محمد بن المستنیر المتوفی ۲۰۶ھ نے کتاب لکھی۔ جس کا نام فیما سئل عنہ الملحدون من آی القرآن[2] ہے۔

اُن کے بعد اس موضوع پر عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری المتوفی ۲۶۷ھ نے تاویل مشکل القرآن لکھی۔ جس میں آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں فرق باطلہ کی خوب تردید کی ہے۔ یہ کتاب سید احمد صقر کی تصحیح اور تعلیقات کے ساتھ ۱۳۷۳ھ میں قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔

اعراب و معانیِ قرآن پر پہلی تصنیف

دوسری صدی ہجری میں قرآن مجید کے اعراب و معانی پر سب سے پہلے ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ المتوفی ۲۱۰ھ نے کتاب لکھی۔ اس موضوع پر سب سے جامع کتاب ابو عبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابو بکر احمد بن علی بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد میں رقمطراز ہیں:

ان اوّل من صنّف فی ذٰلک من اہل اللغۃ ابو عبیدۃ معمر بن المثنیٰ ثم قطرب بن المستنیر ثم الاخفش وصنّف من الکوفیین الکسائی ثم الفرّاء۔ فجمع ابو عبید کتبہم وجاد فیہ الآثار و اسانیدہا وتفاسیر الصحابۃ والتابعین والفقہاء۔[3]

سب سے پہلے معانی قرآن پر اہل لغت میں ابو عبیدہ نے کتاب تصنیف کی پھر قطرب بن مستنیر اور پھر اخفش نے کتابیں لکھیں، اور کوفیوں میں سے کسائی نے لکھی اور پھر فرا نے کتاب تالیف کی اور ابو عبید نے اُن کی کتابوں کو جمع کر دیا اور اس میں آثار اور اُن کی سندیں صحابہ، تابعین اور فقہا۔ کی تفسیروں کو اچھی طرح سے بیان کیا ہے۔

اسی موضوع پر ابو عبد الرحمٰن یونس ضبّی[4] المتوفی ۱۸۲ھ اور شیخ علی رؤاسی[5] نے بھی کتابیں لکھی تھیں۔

۱؎ کتاب الفہرست ص ۵۲۔
۲؎ 〃 〃 ص ۵۷ و ۷۹۔
۳؎ تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۰۵۔
۴؎ کتاب الفہرست ص ۶۳۔
۵؎ 〃 〃 ص ۵۱۔

معانی قرآن کا لفظ قدماء کی اصطلاح میں اعراب مجاز اصطلاحی تاویل لفظ غریب کی تشریح اور تفسیر سب کو شامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابو عبیدہ معمر بن المثنی المتوفی ۲۰۹ھ کی کتاب مجاز القرآن کے متعلق سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ[۱] میں تصریح کی ہے کہ وہ غریب القرآن میں ہے۔ اور زجاج نحوی علامہ ابو اسحاق ابراہیم سری المتوفی ۳۱۰ھ کی تفسیر قرآن، معانی القرآن سے بھی موسوم ہے۔[۲] ابو عبیدہ کی کتاب مجاز القرآن کی جلد اول ۱۳۷۴ھ میں قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے امام لغت فراء کی کتاب معانی القرآن کی پہلی جلد دار الکتب المصریہ قاہرہ سے ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء میں شائع ہو گئی ہے۔

اسی موضوع پر علامہ حسین بن احمد المعروف بابن خالویہ المتوفی ۳۷۰ھ کی کتاب اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن العظیم بھی دار الکتب المصریۃ قاہرہ سے ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء میں شائع ہو چکی ہے۔

مصادر القرآن پر پہلی تصنیف

دوسری صدی ہجری کے اختتام پر یا تیسری صدی ہجری کے اوائل میں قرآن مجید کے مصادر اور جمع و تثنیہ پر کام کا آغاز ہوا۔ اور سب سے پہلے اس موضوع پر امیر المؤمنین فی النحو یحیٰی بن زیاد فراء المتوفی ۲۰۷ھ نے کتاب الجمع والتثنیۃ فی القرآن اور کتاب المصادر فی القرآن[۳] کے نام سے دو جداگانہ کتابیں تصنیف کیں۔

لغات القرآن پر پہلی تصانیف

اسی زمانہ میں علامہ ہیثم بن عدی طائی کوفی المتوفی ۲۰۷ھ اور استاد سیبویہ ابو زید سعید بن زید انصاری[۴] المتوفی ۲۱۵ھ نے لغات القرآن لکھیں۔ لغات لغت کی جمع ہے۔ یہ لفظ عربی زبان میں ڈکشنری کے معنی میں نہیں آتا بلکہ بولی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قدماء کے یہاں جو کتابیں اس نام سے موسوم ہیں اُن کا موضوع قبائل عرب کے ان الفاظ سے بحث کرنا ہے جنھیں قرآن مجید نے استعمال کیا ہے۔ معنی الفاظ کے لئے عربی میں مفردات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اسمائے منافقین پر پہلی تصنیف

تیسری صدی ہجری میں ابو الحسن علی بن محمد المدائنی المتوفی ۲۲۴ھ نے ایک نئے موضوع پر کام کیا اور منافقین

۱۔ بغیۃ الوعاۃ ص ۲۹۵ — ۳۔ کتاب الفہرست ص ۱۰۰۔

۲۔ کشف الظنون۔ ج ۱، کالم نمبر ۴۴۸۔ — ۴۔ 〃 〃 ص ۵۳۔

اور آیاتِ قرآنی کا مذاق اڑانے والوں کے ناموں پر کتابیں لکھیں جو کتاب تسمیۃ المنافقین و من نزل القرآن فیہ منہم و من غیرہم اور کتاب تسمیۃ الذین یؤذون النبی صلی اللہ علیہ وسلم و تسمیۃ المستہزئین الذین جعلوا القرآن عضین[۱] ہے۔

اقسام القرآن پر پہلی تصنیف

اسی تیسری صدی ہجری میں امام کسائی کے نامور شاگرد عبد اللہ بن احمد المعروف بابن ذکوان المتوفی ۲۴۲ھ نے سب سے پہلے قرآن مجید کی قسموں اور ان کے جوابات پر کتاب تصنیف کی، جس کا نام اقسام القرآن و جوابہا ہے[۲]۔

ہندوستان میں اس موضوع پر پہلی تصنیف

ہندوستان میں اس موضوع پر مولانا حمید الدین فراہی نے الامعان فی اقسام القرآن لکھی تھی، جو عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے۔

دیگر علومِ قرآنی پر پہلی تصانیف

امام قراأت ابو عمر حفص بن عمر دوری المتوفی ۲۴۶ھ نے سب سے پہلے "ما اتفقت الفاظہ و معانیہ من القرآن" لکھی[۳]۔

ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ المتوفی ۲۵۵ھ نے قرآن مجید کے نظم و ترتیب اور اعجاز پر کتاب نظم القرآن تصنیف کی اور دوسری کتاب مسائل القرآن لکھی[۴]۔

امام ابن ماجہ کے شیخ اور عالمِ بصرہ حافظ ابو زید عمر بن شبہ نمری المتوفی ۲۶۲ھ نے کتاب ما یستعجم الناس فیہ من القرآن تصنیف کی[۵]۔

علامہ عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری المتوفی ۲۶۷ھ نے آداب القراۃ تصنیف کی[۶]۔

امامِ لغت ابو العباس محمد بن یزید المبرد المتوفی ۲۸۵ھ نے "ما اتفقت الفاظہ و اختلفت معانیہ من القرآن" لکھی[۷]۔

سجود القرآن پر پہلی تصنیف

مشہور حافظ الحدیث ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الحربی المتوفی ۲۸۵ھ نے غالباً سب سے پہلے قرآن مجید کے

۱۔ کتاب الفہرست ص ۱۴۷۔
۲۔ غایۃ النہایہ ج ۱، ص ۴۰۵۔
۳۔ کتاب الفہرست ص ۵۵۔
۴۔ " " ص ۵۷۔
۵۔ کتاب الفہرست ص ۱۶۳۔
۶۔ کشف الظنون۔ ج ۱۔ کالم نمبر ۴۳۔
۷۔ کتاب الفہرست۔ ص ۵۵۔

سجدوں پر کتاب تصنیف کی جس کا نام سجود القرآن ہے۔[1]

ضمائر القرآن پر پہلی تصنیف

امام لغت ابو علی احمد بن جعفر دینوری المتوفی ۲۸۹ھ نے سب سے پہلے ضمائر القرآن پر کتاب لکھی۔ یہ کتاب فراء کی معانی القرآن سے ماخوذ ہے۔ شیخ ابو بکر محمد بن الحسن الزبیدی المتوفی ۳۷۹ھ کتاب طبقات النحویین واللغویین میں رقمطراز ہیں:

لہ کتاب مختصر فی ضمائر القرآن استخرجہ من کتاب المعانی للفراء۔[2]	موصوف کا ضمائر القرآن میں ایک مختصر رسالہ ہے جو فراء کی کتاب المعانی سے ماخوذ ہے۔

اعجاز القرآن پر پہلی تصنیف

تیسری صدی ہجری کے خاتمہ پر مشہور نحوی محمد بن یزید الواسطی المتوفی ۳۰۶ھ نے سب سے پہلے قرآن مجید کے اعجاز پر کتاب تصنیف کی جو اعجاز القرآن فی نظمہ کے نام سے مشہور ہے۔[3]

علومِ قرآن

غرض تیسری صدی ہجری میں قرآن مجید کے مختلف علوم وفنون پر بکثرت کتابیں لکھی گئیں، اور پھر عہد بعہد اس میں ترقی ہوتی گئی۔ اگرچہ قدماء کی اکثر تصانیف آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اُن کے بعد قریب تر زمانہ میں لکھی گئیں۔ ان تصانیف کا بہت کچھ سرمایہ ان میں موجود ہے۔

تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل کی بعض کتابوں کے ناموں اور تذکرہ نگاروں کی اس تصریح سے کہ یہ علوم قرآن میں ہیں اس حقیقت کا سراغ ملتا ہے کہ علومِ قرآن پر غالباً یکجا بحث کا آغاز اسی زمانہ میں ہوا تھا۔ گو وہ اتنے وسیع پیمانے پر نہ ہوا ہو جیسا کہ زرکشی کی کتاب البرہان اور سیوطی کی کتاب الاتقان میں ہمیں نظر آتا ہے۔ لیکن علومِ قرآن کے موضوع اور مباحث پر یکجا بحث کے آغاز کی داغ بیل اسی زمانے میں پڑ چکی تھی۔ غالباً سب سے پہلے علامہ ابو بکر محمد بن خلف المحوّلی[4] المتوفی ۳۰۹ھ نے علومِ قرآن پر ۲۷ جزوں میں

[1] کشف الظنون، ج ۲ کالم نمبر ۱۴۲۴۔ [3] کتاب الفہرست ص ۵۷
[2] کتاب طبقات النحویین واللغویین ص ۲۳۴ طبع قاہرہ ۱۹۵۴ء۔ [4] معجم الادباء ج ۷، ص ۱۰۵

کتاب لکھی جو الحاوی فی علوم القرآن کے نام سے موسوم ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں نامور حافظ الحدیث محمد بن اسحاق صاغانی کے شاگرد اور محمد بن فارس لغوی کے استاد حافظ احمد بن جعفر المعروف با بن المنادی المتوفی ۳۳۶ھ نے علوم قرآن پر قلم اٹھایا اور قرآن مجید کے گوناگوں علوم پر کم و بیش چار سو مستقل کتابیں لکھیں اور ان میں ایسی نادر اور مفید معلومات جمع کیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔ مشہور مؤرخ عبد الرحمٰن بن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ کتاب المنتظم فی تاریخ الامم میں رقمطراز ہیں:

نقلت من خط ابی یوسف القزوینی قال ابو الحسین بن المنادی من القراء المجودین واصحاب الحدیث الکبار وله فی علوم القرآن اربعمائة کتاب ونیف واربعون کتابا اعرف منها احد وعشرون کتابا اوودنها وسمعت بالباقی ..... قال مؤلف الکتاب وقد وقع الیّ من مصنفاته قطعة بخطه وفیها من الفوائد مالا یکاد یوجد فی کتاب[1]۔	میں نے ابو یوسف قزوینی کے نوشتہ سے نقل کیا ہے کہ اُن کا بیان ہے کہ ابو الحسین بن المنادی جو نہایت جید قاریوں اور بلند پایہ محدثین میں سے تھے، انھوں نے علوم قرآن پر چار سو چالیس سے اوپر کتابیں لکھی تھیں کم و بیش اکیس (۲۱) کتابوں سے تو میں واقف ہوں، باقی کے متعلق میں نے سُنا ہے۔۔۔۔ مؤلف کتاب (ابن الجوزی) کہتا ہے اُن کی تصانیف میں سے اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے چند ٹکڑے میری نظر سے گذرے اُن میں ایسے فوائد مجھے ملے جو قریب قریب دوسری کتابوں میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

کاش ابن الجوزیؒ کو موصوف کی کتابیں مل جاتیں تو علوم قرآن پر کام کی نوعیت ہی کچھ اور ہوتی۔ اور علامہ زرکشیؒ کے قلم سے یہ الفاظ نہ نکلتے:

لما کانت علوم القرآن لا تنحصر ومعانیه لا تستقصی وجبت العنایة بالقدر الممکن ومما فات المتقدمین وضع کتاب یشتمل علی انواع علومه کما وضع الناس	چونکہ علوم قرآن خارج از شمار ہیں اور اس کے معانی بھی شمار سے باہر ہیں اس لئے ان میں سے جتنا ہو سکے اس پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ متقدمین میں سے جو امور انجام دینے سے رہ گئے

[1] کتاب المنتظم، ج ۶، ص ۳۵۸، حیدر آباد دکن ۱۳۵۷ھ۔

ذٰلک بالنسبۃ الی علم الحدیث[1]۔

منجملہ اُن کے ایک یہ امر بھی ہے کہ انھوں نے انواعِ علومِ قرآن پر کوئی کتاب تالیف نہیں کی جس طرح علماء نے فن حدیث کے مصطلحات پر کیں۔

اور سیوطیؒ بھی یہ نہ لکھتے:

ولقد کنت فی زمان الطلب اتعجب من المتقدمین اذلم یدوّنوا کتاباً فی انواع علوم القرآن کما وضعوا ذٰلک بالنسبۃ الی علم الحدیث۔

میں زمانۂ طالب علمی سے متقدمین کی اس بات پر بڑا تعجب کرتا تھا کہ انھوں نے علومِ قرآن پر کوئی کتاب مرتب نہیں کی جس طرح سے کہ انھوں نے علم حدیث کے متعلق کتابیں لکھیں۔

ابن المنادی نے قرآن کے علوم پر جتنی کتابیں لکھی ہیں اگر علومِ قرآن کی ہر نوع پر چار چار کتابیں بھی فرض کرلی جائیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ چوتھی صدی ہجری میں علومِ قرآن کی کم ازکم سو اصناف پر تنہا ابن المنادی نے وہ کام کردیا جو پھر نہ ہوسکا۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اصولِ حدیث کا فن زیادہ وسیع نہیں یہ ایک مختصر فن ہے۔ قرآن مجید مخزنِ علوم ومعارف ہے۔ اس کے علوم بھی بے پایاں ہیں، اس کے اہم علوم کی تعداد بھی کچھ کم نہیں، پھر اُن کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہے۔ ان علوم میں ایسا اختصار جیسا علومِ حدیث میں ممکن ہے اگر ناممکن نہیں تو دشوار تر ضرور رہے۔ یہی وجہ ہے کہ متاخرین میں سے زرکشی اور سیوطی نے علومِ قرآن کو سمیٹنے کی بڑی سعی کی ہے تاہم وہ بھی ان علوم کو دو۲ جلدوں سے کم میں نہیں سمیٹ سکے۔

پانچویں صدی ہجری میں ابونصر محمد بن احمد بن علی المروزی الحنفی المتوفی ۴۸۴ھ نے اس موضوع پر دو۲ کتابیں التذکرہ لاہل التبصرہ اور المعوّل لکھیں۔ ان دونوں کتابوں کے متعلق حافظ عبدالکریم سمعانی نے کتاب المذیل میں تصریح کی ہے کہ یہ علومِ قرآن میں ہیں[2]۔ آج یہ نہیں ملتیں اس لئے نہیں بتایا جاسکتا کہ ان کتابوں میں کون کون سے اہم مباحث اور علوم سے بحث کی گئی ہے۔

انہی ایام میں امامِ لغت راغب اصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ نے اپنی تفسیر کا ایک مقدمہ لکھا اس میں بھی علومِ قرآن سے بحث کی ہے جو مختصر ہونے کے باوجود نہایت مفید معلومات پر

---

[1] البرہان، ج ۱ ص ۹۔ [2] کتاب المذیل بحوالۂ معجم الادباء ج ۶ ص ۳۳۹۔

مشتمل ہے، اور مقدمۃ التفسیر کے نام سے تنزیہ القرآن عن المطاعن کے ساتھ قاہرہ سے شائع ہوچکا ہے اور اب کراچی سے مفردات القرآن للراغب کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

چھٹی صدی ہجری میں نامور مفسر علامہ ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے جن کا شمار حفاظ حدیث میں ہے علوم قرآن پر فنون الافنان فی علوم القرآن تصنیف کی اس کتاب کا فوٹو سنٹرل اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی میں موجود ہے اور ہماری نظر سے گذر چکا ہے بظاہر یہ فوٹو کامل نہیں معلوم ہوتا لیکن جتنا یہاں موجود ہے وہ بھی دو سو صفحات سے کم نہیں ہے۔

اِس کتاب میں بلاشبہ وہ تنوع اور جامعیت نہیں ہے جو علامہ زرکشی کی کتاب البرہان اور محدث سیوطی کی الاتقان فی علوم القرآن میں ہے، لیکن اس کی خوبی کیا کم ہے کہ اس میں اختصار کے باوجود بعض اہم مباحث کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ کتاب الافنان کی تالیف کے زمانہ میں علامہ ابن جوزی کے پیشِ نظر مذکورہ بالا کتابوں میں سے کوئی کتاب نہ تھی۔

جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ انھوں نے قدماء کی اس موضوع پر مذکورہ بالا کتابوں میں سے کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا، اور نہ محدث موصوف نے اس امر کا کہیں دعویٰ کیا ہے کہ علوم قرآن پر یہ پہلی کتاب ہے، جس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو قدماء کے اس موضوع پر کارناموں کا علم تھا، مگر اُن کی کتابیں نظر سے نہیں گذری تھیں لہٰذا ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

علوم قرآن پر قدماء کے کارناموں سے اگر صرفِ نظر کرلی جائے تو بلاشبہ ابن الجوزیؒ کو اس فن کا جامع اول کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ فنون الافنان میں کسی اور فن سے بحث نہیں ہے۔ اس کا موضوع علوم قرآن ہیں، اور یہ کتاب اسلامی کتب خانوں میں محفوظ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ پانچویں صدی ہجری تک اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہئے تھی وہ نہیں ہوئی۔ اس کے وجوہ و اسباب میں سے دو نہایت اہم سبب حسب ذیل ہیں:۔

(۱) قدماء کے دور میں علوم قرآن کی ہر نوع پر جداگانہ کتابیں لکھی گئی تھیں۔ اس لئے بلاشبہ قرآن کے ہر موضوع پر بڑا کام ہوا اور فن کمال کو پہنچا۔ لیکن یکجا بحث کے اعتبار سے جیسی ترقی درکار تھی وہ نہیں ہوئی۔ کیوں کہ قدماء نے جب یکجا بحث کا آغاز کیا تو محض اشاروں کنایوں پر اکتفاء کیا اور تفصیل سے گریز کیا۔

(۲) متقدمین میں سے جن علماء نے علومِ قرآن پر بحث کی اور مباحث کو یکجا کیا ان میں سے ایک کو دوسرے کی کتاب نہیں ملی یہی امر بظاہر متاخرین علماء کی غلط فہمی کا باعث بنا اور انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ علومِ قرآن پر من حیث المجموع کام نہیں ہوا۔

متاخرین علماء نے متقدمین کی انواعِ علوم پر مستقل تصانیف سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ مجمل مقامات پر تفصیل اور تفصیل کی جگہ اختصار سے کام لیا۔ اور ہر موضوع پر منتشر اور مفید معلومات کا جو اضافہ کیا اس سے ہر نوع میں توسع اور تنوع پیدا ہو گیا۔ اور متاخرین کے دور میں یہ فن یکجا بحث کے اعتبار سے بھی درجۂ کمال کو پہنچ گیا۔

سیوطیؒ کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب کہ علومِ قرآن پر بڑا کام ہو چکا تھا، مفصل اور مختصر متعدد کتابیں مرتب ہو چکی تھیں، لہٰذا اس فن پر معلومات کا سرمایہ ان کو مل گیا، اور وہ فرطِ جوش میں الاتقان اور الافنان کو دریا اور قطرہ سے تشبیہ دے گئے جو مبالغہ سے خالی نہیں۔

ساتویں صدی ہجری میں حافظ العصر شہاب الدین ابو شامہ عبد الرحمٰن مقدسی المتوفی ۶۶۵ھ نے علومِ قرآن پر کتاب تالیف کی جس کا نام المرشد الوجیز فی علوم القرآن العزیز ہے۔ اس کا مخطوطہ مکتبہ البدیریہ (بیت المقدس) میں محفوظ ہے۔ نیز اسکوریال کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے۔[۱]

کتاب البرہان کی تالیف کے زمانہ میں محدّث زرکشی کے پیش نظر ابن الجوزیؒ کی کتاب الافنان اور حافظ ابو شامہ کی کتاب الوجیز دونوں رہی ہیں۔ لیکن موصوف نے ان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ غالباً اسی وجہ سے سیوطیؒ نے بھی اُن کو اہمیت نہیں دی۔

آٹھویں صدی ہجری میں علّامہ بدر الدین زرکشی المتوفی ۷۹۴ھ نے البرہان فی علوم القرآن نامی کتاب لکھی، اور ۴۷ انواعِ علومِ قرآن سے اس میں بحث کی۔ یہ کتاب اس موضوع پر نہایت کامیاب تالیف ہے۔ اور سیوطیؒ کی کتاب الاتقان فی علوم القرآن کی اساس اور بنیاد یہی کتاب ہے جو چار ضخیم جلدوں میں قاہرہ سے شائع ہو گئی ہے۔

نویں صدی ہجری میں جلال الدین عبد الرحمٰن بلقینی شافعی المتوفی ۸۲۴ھ نے قرآن مجید کے علوم پر مواقع العلوم من مواقع النجوم لکھی۔

---

[۱] فہرست مخطوطات مکتبہ اسکوریال طبع پیرس ۱۹۲۸ء۔

پھر اس موضوع پر محی الدین محمد بن سلیمان کافیجی حنفی المتوفی ۸۵۶ھ نے التیسیر فی علم التفسیر لکھی۔ ۸۷۲ھ میں سیوطیؒ نے اپنی مبسوط تفسیر مجمع البحرین و مطلع البدرین کا مقدمہ لکھا جس میں علوم قرآن سے بحث کی اور اسی کا نام التحبیر فی علوم التفسیر رکھا۔ اس میں موصوف نے قرآن مجید کے ایک سو دو علوم پر تبصرہ کیا ہے۔ اس کتاب کی اصل اور بنیاد علامہ بلقینی کی کتاب مواقع العلوم ہے۔ اس کے دو مخطوطے جامع ازھر (قاہرہ) کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں[1]۔

اس کتاب کی تالیف کے بعد سیوطیؒ کو جب علامہ زرکشی کی کتاب البرہان کا علم ہوا اور وہ کتاب ان کو مل گئی تو موصوف نے اس کو سامنے رکھ کر از سر نو مجمع البحرین کا مقدمہ لکھنا شروع کیا جو ۸۷۸ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا یہی مقدمہ الاتقان فی علوم القرآن کے نام سے عالم میں مشہور ہوا۔

علوم قرآن پر علامہ بدر الدین زرکشیؒ کی کتاب البرہان ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کی جامعیت، افادیت، اہمیت اور عظمت کو سیوطیؒ نے تسلیم کیا ہے۔ حاجی خلیفہ کشف الظنون میں لکھتے ہیں:

الاتقان فی علوم القرآن ...... للشیخ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ وھو اشبہ آثارہ وافیدھا ذکر فیہ تصنیف شیخہ الکافیجی واستصغرہ ومواقع العلوم للبلقینی واستقلہ ثم انہ وجد البرہان للزرکشی کتاباً جامعاً بعد تصنیفہ التحبیر فاستأنف وزاد علیہ الی ثمانین نوعاً وجعلہ مقدمۃ لتفسیرہ الکبیر الذی شرع فیہ وسماہ مجمع البحرین[3]۔	اتقان فی علوم القرآن .... شیخ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی تالیف ہے۔ اور اُن کے کارناموں میں زیادہ نمایاں اور سب سے زیادہ مفید کتاب ہے۔ اس میں اپنے شیخ کافیجی کی کتاب کا ذکر کیا ہے اور اس کو بہت کمتر سمجھا ہے۔ شیخ بلقینی کی کتاب مواقع العلوم کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کو بھی کمتر گردانا ہے[2]۔ موصوف کو التحبیر کی تالیف کے بعد زرکشی کی جامع کتاب ملی تو از سر نو کتاب لکھنا شروع کی اور اس پر اتنا اضافہ کیا کہ انواع علوم

کی تعداد اسی تک پہنچ گئی اور اس کو اپنی عظیم الشان تفسیر جس کو شروع کر رکھا تھا اور جو مجمع البحرین کے نام سے موسوم ہے، کا مقدمہ بنا دیا۔

---

[1] فہرس المکتبۃ الازہریۃ ج ۱ ص ۱۶۸۔ طبع ۱۳۷۱ھ۔ [2] حاجی خلیفہ کا یہ کہنا کہ موصوف نے مواقع العلوم کو بھی کمتر تالیف گردانا ہے سیوطیؒ کی تصریح کے خلاف ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

رأیتہ تالیفاً لطیفاً ومجموعاً طریفاً ذا ترتیب تقریر	اس کو میں نے دیکھا یہ اس موضوع پر قابلِ قدر

[3] یہ حاشیہ صفحہ ۸۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(باقی بر صفحہ ۸۴)

سیوطیؒ نے زرکشی کی کتاب البرہان کو نہایت خوش اسلوبی سے الاتقان میں سمیٹ لیا ہے۔

حاجی خلیفہ کا بیان ہے:۔

والسیوطی ادرجہ فی اتقانہ۔

اور سیوطیؒ نے اس کو اتقان میں درج کر دیا ہے

سیوطیؒ کا علمی دنیا پر یہ احسان ہمیشہ یادگار رہے گا کہ اس نے زرکشیؒ کی گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی کتاب کو الاتقان میں ذکر کر کے علمی دنیا کو اس سے روشناس کرایا اور اس کو ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بنا دیا۔ اس حقیقت کا اعتراف کتاب البرہان کے مرتب محمد ابو الفضل ابراہیم نے حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:

ہذا الکتاب لم یکن معروفاً عند الباحثین ولا متداولاً بین الطلّاب والدارسین، عدا قلۃ من المشغوفین بمعرفۃ النوادر وروّاد المکتبات .... حتّی جاء جلال الدین السیوطی ووضع کتابہ الاتقان فدلّ الناس فی مقدمتہ علیہ واشاد بہ وعدّہ اصلاً من الاصول التی بنی علیہا کتابہ وتأسّی طریقتہ وتقیّل مذہبہ وسار فی الدّرب الذی رسمہ ونقل کثیراً من فصولہ مرۃ معزوۃ الیہ ومرّۃ بدون عزو وان کان فیما نقل عنہ اقتضب الکلام اقتضاباً واختصرہ اختصاراً وبہذا ظفر کتاب الاتقان بمنزلۃ مرموقۃ عند العلماء

یہ کتاب بحث کرنے والوں میں معروف نہ تھی اور اساتذہ اور طلبہ میں متداول نہ تھی بجز چند شائقین نوادر اور متلاشیان کتب کے کوئی اس سے واقف نہ تھا .... تا آنکہ جلال الدین سیوطی آئے اور انھوں نے الاتقان لکھی۔ اس کے مقدمہ میں لوگوں کو اس کی طرف رہنمائی کی۔ اور اس کی تعریف کر کے مشہور کر دیا۔ اور ان بنیادی کتابوں میں سے ہے جن پر اپنی کتاب کی بنیاد رکھی اور اس کو اصل الاصول بنایا۔ اسی کے طریقہ کی اقتدا کی، اسی کے طرز روش کو اختیار کیا اور اسی موضوع پر کام کیا جس کو اس نے قلمبند کیا تھا۔ اور اس کی بہت سی فصلیں کبھی بحوالہ اور کبھی بلا حوالہ درج کتاب کیں

(بقیہ حاشیہ ص ۸۳)

وتنویع وتحبیر (الاتقان - ج ۱ ص ۳، طبع مصر ۱۳۷۰ھ)

اور عمدہ تالیف تھی۔ اسلوب بیان، تقسیم ابواب، اور ترتیب مضامین سب خوب تھا۔

۳ھ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون - ج ۱ کالم نمبر ۸۔

غدا مرجعاً للباحثين حقبة من الزمان
وظل كتاب البرهان متوارياً عن العيان
مطموراً في زوايا النسيان[1]

گو اس سے جو کلام نقل کیا وہ ٹکڑے ٹکڑے کرکے نقل کیا ہے اور مختصر کرکے لکھا ہے۔ اس وجہ سے کتاب الاتقان کو یہ کامیابی نصیب ہوئی کہ وہ علماء کی منظورِ نظر بن گئی۔ اور ایک زمانہ تک اہلِ تحقیق کا مرجع بنی رہی۔ اور کتاب البرہان نظروں سے اوجھل رہی اور گوشۂ گمنامی میں پڑی رہی۔

سیوطیؒ نے کتاب الاتقان میں زرکشی کی کتاب پر ۳۳ انواعِ علوم کا اضافہ کیا۔ اور اس طرح قرآن مجید کے اسّی علوم سے بحث کی، اور اس امر کی صراحت بھی کر دی کہ انواعِ علوم کو بعض اصناف کے ضمن میں ذکر کرکے اختصار سے کام لیا۔ اگر ہر نوع پر جداگانہ بحث کی جاتی تو انواعِ علوم کی تعداد تین سو سے متجاوز ہو جاتی، فرماتے ہیں:

فهذه ثمانون نوعاً على سبيل الادماج
ولو نوعته باعتبار ما ادمجته في ضمنها
لزادت على الثلثمائة[2]

کئی کئی نوعوں کو یکجا بیان کیا ہے تو یہ اسّی انواع ہوئیں، اور اگر ہر نوع کو جدا جدا بیان کیا جاتا تو تین سو سے زیادہ نوعیں بن جاتیں۔

سیوطیؒ نے جن اسّی انواعِ علوم کا الاتقان میں تذکرہ کیا ہے اُن کے متعلق بھی اہلِ نظر کی رائے یہ ہے کہ بعض ایسی انواعِ علوم کو جن کا تعلق براہِ راست علومِ قرآن سے نہیں ہے، سیوطیؒ نے ان کو بھی انواعِ علومِ قرآن سے شمار کیا ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

علم الایجاز والاطناب ذکره من فروع علم التفسیر ولا یخفی انه من مباحث علم البلاغة فلا وجه بجعله فرعاً من فروع علم التفسیر الا انه التزم تسمیة ما اورده السیوطی فی اتقانه من الانواع علماً۔

علم ایجاز و اطناب کو موصوف نے علم تفسیر کے فروع میں ذکر کیا ہے اور یہ امر مخفی نہیں کہ یہ مباحث علم بلاغت میں سے ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کو علم تفسیر کے فروع میں سے قرار دیا جائے مگر سیوطیؒ نے اس امر کا التزام کر لیا ہے کہ اتقان میں جتنی انواع کو بیان کیا ان میں سے ہر ایک کو ایک علم کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سیوطیؒ کی الاتقان ہر اعتبار سے زرکشی کی البرہان فی علوم القرآن سے جامع تر، مفید تر اور مقبول تر کتاب ہی

[1] مقدمہ کتاب البرہان فی علوم القرآن ص ۱۳، طبع قاہرہ ۱۳۷۶ھ [2] الاتقان ج ۱، ص ۷۔

نہیں ہے بلکہ علوم قرآن کا دائرۃ المعارف ہے۔ مؤلفِ کتاب سے بہتر کس کی رائے ہوسکتی ہے۔

تصنیف را مصنف نیکو کند بیان،

سیوطیؒ فرماتے ہیں:

لما وقفت علی ھذا الکتاب ازددت بہ سروراً وحمدت اللّٰہ کثیراً وقوی العزم علیٰ ابراز ما اضمرتہ وشددت الحزم فی انشاء التصنیف الذی قصدتہ فوضعت ہذا الکتاب العلی الشان الجلی البرہان الکثیر الفوائد والاتقان و رتّبت انواعہ ترتیباً انسب من ترتیب البرہان وادمجت بعض الانواع فی بعض و فصلت ماحقہ ان یبان وزدتہ علی ما فیہ من الفوائد والفرائد والقواعد والشوارد ماتنشف الاذان وسمیتہ بالاتقان فی علوم القرآن۔

جب میں نے اس کتاب کو دیکھ لیا تو مجھے کمال مسرت ہوئی اور میں نے خدا کا بڑا شکر ادا کیا۔ میرا عزم ان خیالات کے اظہار پر اور پختہ ہوگیا جو میرے دل و دماغ میں موجود تھے۔ اور جس کتاب کی تیاری کا خیال میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا اس کو نہایت احتیاط کے ساتھ مرتب کرنے میں مصروف ہوگیا۔ آخرکار میں نے یہ بلند مرتبت اور عظیم الشان کتاب تیار کی جو بڑے فوائد کی حامل اور ٹھوس کتاب ہے۔ میں نے اس کے انواع کی ترتیب کتاب البرہان سے زیادہ عمدہ طریقہ پر کی ہے اور بعض انواع کو بعض کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ اور جو وضاحت طلب تھیں ان کو جداگانہ اور مستقل نوع بنادیا اور اس میں اصول، فوائد اور بیش بہا منتشر معلومات کو جمع کر کے چار چاند لگائے اور اس کا نام الاتقان فی علوم القرآن رکھا۔

سیوطیؒ نے الاتقان میں سینکڑوں منتشر اہم، مفید اور نادر معلومات جمع کی ہیں جن سے کتاب البرہان یکسر خالی ہے۔ البرہان فی علوم القرآن قاہرہ سے چار ضخیم جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے، ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دونوں کتابیں اتحاد موضوع کے باوجود باہم کس قدر مختلف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اتقان جس کی شہرت عالمگیر ہوچکی ہے اپنی افادیت اور جامعیت کی وجہ سے ہر دور میں مقبول رہی ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جو مصنف کثرت سے کتابیں لکھتے ہیں ان سے غلطیاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ کیونکہ لکھنے کے بعد اس کے دیکھنے کی انھیں فرصت نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ سیوطیؒ کے یہاں بھی بعض نہایت فاحش غلطیاں نظر آتی ہیں۔ الاتقان

بھی اس قسم کی غلطیوں سے خالی نہیں۔ شیخ محمد زاہد کوثری مقدمۂ ذیل طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں:

الاتقان فی علوم القرآن۔ وجبلہ من البرہان للبدر الزرکشی وھذا کتاب جلیل جداً الاان السیوطی اغفل مواطن الفائدۃ منہ وتابعہ فی اوہامہ الظاہرۃ کقولہ فی اسباب النزول ان عثمان بن مظعون شرب الخمر فی عہد عمر الخ مع انہ ممن حرم الخمر علی نفسہ فی الجاہلیۃ والاسلام ومات قبل التحریم فی اول الہجرۃ بالمدینۃ وہو اول من دفن فیہا من المسلمین وکل ذلک فی غایۃ الشہرۃ[1] بل الذی شرب ہو قدامۃ بن مظعون الی غیر ذلک سوی مالہ من الاوہام فیہ وغیر ماحشدہ فیہ من الاخبار من غیر تمحیص مما یتمسک بہ خصوم الکتاب الکریم[2]۔

الاتقان فی علوم القرآن۔ وہ تمام تر بدرالدین زرکشی کی کتاب البرہان سے ماخوذ ہے۔ اور یہ اس موضوع پر جلیل القدر کتاب ہے۔ مگر سیوطی نے اس کے مفید تر مقامات کو نظرانداز کر دیا ہے اور کھلی کھلی غلطیوں میں بھی اُن کی اتباع کر گئے ہیں جیسے اسباب النزول کی بحث میں یہ بات نقل کرنا کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عہد فاروقی میں شراب پی۔ باوجودیکہ حضرت عثمان بن مظعون ان لوگوں میں سے تھے جو زمانۂ جاہلیت اور اسلام دونوں میں اپنے اوپر شراب حرام کئے ہوئے تھے۔ نیز ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو شراب کی حرمت سے پہلے وفات پا چکے تھے اور وہ پہلے مسلمان تھے جو مدینہ میں دفن ہوئے تھے۔ یہ تمام باتیں نہایت مشہور ہیں۔ جس نے شراب پی تھی وہ حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی غلطیاں ہیں۔ بہت سی ایسی روایات بغیر تحقیق اس میں بھر دی ہیں جن سے دشمنانِ قرآن استدلال کرتے ہیں۔

---

[1] تعجب ہے محمد ابوالفضل ابراہیم جس نے کتاب البرہان کو ایڈٹ کیا ہے اس نے بھی بدرالدین زرکشی کی اس فاحش غلطی پر حواشی میں تنبیہ نہیں کی۔ ملاحظہ ہو البرہان فی علوم القرآن، طبع اوّل قاہرہ ۱۳۷۶ھ ۔ ج ۱ ص ۲۸۔

[2] مقدمہ ذیل طبقات الحفاظ ص ۹

ہم نے سیوطیؒ کے تاریخی اور علمی اغلاط سے بحث نہیں کی، گو کرنے کا اصل کام یہی تھا مگر یہ فرصت کا کام تھا، اور اس کا لطف بھی اسی وقت تھا جب کتاب عربی میں چھپتی اس لئے ہم نے ان چیزوں سے تعرض نہیں کیا۔

یہ شہرۂ آفاق کتاب سب سے پہلے ہندوستان میں مولوی بشیر الدین اور نور الحق کی تصیح کے ساتھ کلکتہ سے ۱۲۷۱ھ ۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ پھر ۱۲۷۹ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔ اور شوال ۱۲۸۰ھ میں محمد حسین خاں مہتمم مطبع مصطفائی دھلی نے مولوی محمد اسد علی اسلام آبادی کی تصیح کے ساتھ مطبع احمدی انوجان دہلی سے چھپوا کر شائع کی۔ خاتمۃ الطبع میں کلکتہ سے شائع شدہ نسخہ کے متعلق اعلان کیا ہے کہ اس میں بہت سے اغلاط ہیں۔ یہ نسخہ متوسط تقطیع کے پانچ سو اسی صفحات پر مشتمل ہے۔ پھر یہ کتاب مصر سے بکثرت چھپی۔

یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس طرح الاتقان سب سے پہلے ہندوستان کے اندر چھپی، اسی طرح اس کتاب کا غالباً سب سے پہلے ترجمہ بھی اردو زبان میں ہوا۔ اور مولوی محمد حلیم انصاری ردولوی مرحوم نے اس کا ترجمہ نہایت محنت اور جانفشانی سے کیا۔ جو ۱۹۰۸ء میں فیض بخش اسٹیم پریس فیروز پور شہر سے دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اور اب نہیں ملتا۔

الاتقان کی افادیت کے پیش نظر اس کا ترجمہ اردو میں شائع کرنے کی تجویز زیر غور آئی، اردو میں اس کا ترجمہ پہلے سے موجود تھا۔ اسی ترجمہ کو جا بجا اصل سے ملا کر دیکھا تو متن و ترجمہ اور حاصل متن ترجمہ میں زیادہ بُعد نہیں پایا۔ اس لئے اس کتاب کے از سر نو ترجمہ کی احتیاج نہیں سمجھی۔ لیکن اُن کے ترجمہ میں جو بعض خامیاں رہ گئی تھیں ان سے صرفِ نظر کرنا بھی کتاب کی افادیت کو ختم کرنے کے مترادف تھا۔ لہٰذا ہم نے محمد حلیم انصاریؒ کے ترجمہ کو برقرار رکھا، اور ترجمہ میں جہاں ضرورت سمجھی وہاں تغیر و تبدل سے گریز نہیں کیا، اس تغیر و تبدل اور اصلاح کی نوعیت حسب ذیل ہے:

۱۔ جہاں ترجمہ غلط تھا اس کو صحیح کر دیا۔

۲۔ ترجمہ جہاں بھی خلاف محاورہ نظر آیا اسے با محاورہ کر دیا۔

۳۔ مترجم نے جہاں کتاب کے نام کو مصنف کا نام اور مصنف کے نام کو کتاب کا نام سمجھا اس کو درست کر دیا۔

۴۔ فنِ قرأت کی مصطلحات میں فن سے ناواقفیت کی وجہ سے ترجمانی ٹھیک نہیں ہو سکی تھی اس کی اصلاح کر دی۔

۵۔ بعض پیراگراف کے سمجھنے میں مترجم سے غلطی ہوئی تھی ایسے مقامات پر ان کا ازسرِنو ترجمہ کر دیا۔

قارئین کی سہولت کے لئے کتاب میں جن باتوں کا خیال رکھا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ مترجم کے مختصر وضاحتی فقروں کو قوسین ( ) میں لکھ دیا ہے۔

۲۔ مسلسل عبارت میں پیراگراف بنائے ہیں۔

۳۔ جن مقامات پر مصطلحاتِ فن کی تشریح اور وضاحت ناگزیر تھی وہاں اُن کی وضاحت کر دی ہے۔

۴۔ کتابوں اور مصنفوں کے ناموں کی صحت کا ہر جگہ خیال رکھا ہے۔

۵۔ عنوانات میں اختصار سے کام لیا ہے۔

واضح رہے کہ سیوطیؒ کی الاتقان کے بعد بھی علوم قرآن پر کام کا سلسلہ قائم رہا ہے۔

دسویں صدی ہجری میں شیخ عبدالوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ نے علومِ قرآن پر ۹۳۲ھ میں الجوھر المصون والسر المرقوم فیما تنتجہ الخلوۃ من الاسرار والعلوم لکھی۔ جس میں قرآن مجید کے تین ہزار علوم کو بیان کیا اور اُن پر تبصرہ کیا ہے[۱]

بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں محدث ابن عقیلہ جمال الدین محمد بن احمد مکی المتوفی ۱۱۵۰ھ نے علومِ قرآن پر کام کیا، اور الاحسان فی علوم القرآن لکھی، جس سے سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس میں استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ اپنے ماخذوں میں اس کا بھی نام لیا ہے۔ موصوف کے الفاظ ہیں:

الاحسان فی علوم القرآن لشیخ مشائخنا محمد بن احمد بن عقیلہ[۲]	الاحسان فی علوم القرآن ہمارے استاذ الاساتذہ محمد بن احمد بن عقیلہ کی تالیف ہے۔

سید عزت العطار نے احکام القرآن للامام الشافعیؒ کے مقدمہ میں اس کا نام

---

[۱] المیزان الکبریٰ: عبدالوہاب شعرانی، طبع مصر، ص ۱۱ و کشف الظنون، ج ۱، کالم نمبر ۶۱۹۔

[۲] مقدمہ تاج العروس، ص ۴۲، طبع مصر ۱۳۰۶ھ۔

زیادۃ الاحسان فی علوم القرآن نقل کیا ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ الاتقان کی تلخیص ہے۔ اور اس پر بقدر نصف علوم یعنی چالیس علوم کا اضافہ بھی ہے۔ اس کا مخطوطہ استنبول میں علی پاشا الحکیم کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔[1]

اسی زمانہ میں شیخ محمد آفندی ازمیری المتوفی سنہ ۱۱۶۰ھ نے اس موضوع پر بدائع البرہان فی علوم القرآن لکھی۔[2]

ہندوستان میں اس موضوع پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ نے فارسی میں الفوز الکبیر فی علوم التفسیر لکھی جس کا عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ یہ قرآن فہمی کے اصول پر نہایت مختصر، مفید اور اہم کتاب ہے۔

چودھویں صدی ہجری میں مولانا معین الدین کاظمی کرڑوی المتوفی سنہ ۱۳۰۴ھ نے سنہ ۱۲۸۴ھ میں جلاء الاذہان فی علوم القرآن فارسی زبان میں لکھی جو تمامتر فوز الکبیر اور الاتقان سے ماخوذ ہے۔ اس میں ایک جدت اور خوبی یہ ہے کہ موصوف نے آخر میں ہر سورۃ کا نام، مکی، مدنی کی تفصیل، کلمات کا شمار، حروف کی تعداد، رکوع کا شمار، نقشہ اور جدول میں سمجھایا ہے۔ یہ کتاب متوسط تقطیع کے ایک سو پچاس ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے، اور مطبع نولکشور لکھنؤ سے سنہ ۱۲۹۳ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

اسی زمانہ سنہ ۱۲۹۰ھ میں نواب صدیق حسن خاں نے اپنی عربی تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن کا مقدمہ فارسی میں لکھا، یہ مقدمہ بھی فوز الکبیر اور کشف الظنون سے ماخوذ ہے، اور بڑی تقطیع کے ۱۲۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ سنہ ۱۲۹۱ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہو چکا ہے۔

۱؎ مقدمۃ احکام القرآن، ص ۱۲۔

۲؎ ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون: اسماعیل پاشا۔ ج ۱، کالم نمبر ۱۷۰ طبع استنبول سنہ ۱۳۶۴ھ۔